اِنَّ رَبَّکَ لَبِالْمِرْصَادِ (القرآن)
خدا
دیکھ رہا ہے
مصنّف
مرشدِ طریقت مفکرِ اسلام حضرت علامہ سید محمد احسن میاں صاحب قبلہ
ناشر
جامعہ فاطمہ
جلال نگر شاہجہاں پور، یوپی

إِنَّ رَبَّكَ لَبِالْمِرْصَادِ

خدا دیکھ رہا ہے

مصنف

مرشد طریقت مفکر اسلام حضرت علامہ سید محمد احسن میاں صاحب قبلہ

ناشر

جامعہ فاطمہ جلال نگر شاہجہان پور (یوپی)

نام کتاب : خدا دیکھ رہا ہے

مصنف : مفکر اسلام حضرت علامہ مولانا سید محمد احسن میاں صاحب

پروف ریڈنگ : سید محمد آل مصطفیٰ احسنؔ

سن اشاعت : صفر المظفر ۱۴۴۴ھ/ستمبر ۲۰۲۲ء (طبع اول)
بموقع عرسِ رضوی

تعداد : ۲۱۰۰

ناشر : جامعہ فاطمہ جلال نگر شاہجہان پور

صفحات : ۱۷۶ (176)

ملنے کے پتے:

(۱) جامعہ فاطمہ جلال نگر شاہ جہان پور

(۲) فاطمہ گرلس انٹر کالج چمکنی شاہ جہان پور

(۳) فاطمہ کڈز اکیڈمی آکاش پورم بریلی شریف

(۴) فاطمہ لیان C.B.S.E اسکول (سینئر سکینڈری) نریاول بریلی شریف

فہرست مضامین

○○○

سات پیاری باتیں

فقیہ ابواللیث رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: جس نے سات باتوں کو یاد رکھا، وہ اللہ عَزَّوَجَلَّ اور فرشتوں کے نزدیک مکرم ہوگا، اللہ عَزَّوَجَلَّ اس کے گناہ بخش دے گا اگرچہ سمندر کے جھاگ کے برابر کیوں نہ ہوں، وہ اپنی عبادت و بندگی میں حلاوت وشیرینی پائیگا اور اس کی موت وزندگی دونوں اس کے لئے بہتر ہوں گی۔ وہ سات باتیں یہ ہیں: (۱) ہر کام کے شروع میں بسم اللہ پڑھنا (۲) ہر کام سے فارغ ہونے کے بعد الحمدللہ کہنا (۳) جب زبان پر کوئی چھوٹی یا بڑی بیہودہ اور بری بات آجائے تو اس کے بعد استغفر اللہ پڑھنا (۴) جب کسی کام کے کرنے کا ارادہ کرے یا کہے تو فوراً اِنْ شَآءَاللہ کہنا (۵) شب و روز ہر وقت زبان پر ''لا الٰہ الا اللہ'' کا جاری رہنا (۶) جب جان و مال میں کوئی مصیبت پہنچے تو اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رَاجِعُوْن پڑھنا (۷) جب کوئی مکروہ اور ناپسندیدہ بات سامنے آئے، تو لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ پڑھنا۔ (تنبیہ الغافلین) (فضائل اسلام)

پیشِ لفظ

مُبَسمِلًا وَ حَامِدًا وَ مُصَلِّيًا

’’**وصیتیں اور نصیحتیں**‘‘ نامی کتاب کی جمع و ترتیب کے درمیان جب میں نے حضرت لقمان کی وصیتوں کو جمع کرنے کے دوران سورۂ لقمان کی تفسیر کے لئے **تفسیر کبیر، تفسیر بیضاوی، حاشیہ صاوی، درمنثور، احیاء العلوم** اور **یَا بُنَیَّ** وغیرہ مختلف کتب کا مطالعہ کیا تو احسان اور مراقبہ یعنی **خدا دیکھ رہا ہے** کا تصور قائم کرنے کے فائدوں پر غور کیا کہ اگر بندے کو تیقُّظ و تبَصُّر کا مقام حاصل ہوجائے تو یقیناً وہ اپنے آپ کو گناہ اور خدائے تعالیٰ کی نافرمانی سے بچا کر فرائض و واجبات کی ادائیگی کے ذریعہ اپنے ظاہر و باطن کی اصلاح میں لگ جائے گا۔ اس فائدہ کے پیشِ نظر ’’**وصیتیں اور نصیحتیں**‘‘ نامی کتاب سے حضرت لقمان کی وصیتوں کو علیحدہ کیا اور ’’**خدا دیکھ رہا ہے**‘‘ کے نام سے موسوم کر کے عام دینی بھائیوں کی اصلاح کی غرض سے اس کتاب کو مفت پیش کر رہا ہوں۔ مولیٰ کریم ہمیں آپ کو نیکیوں کی توفیق عطا فرمائے۔

اہلِ علم سے گذارش ہے کہ اگر اس کتاب میں کوئی خطا اور غلطی پائیں تو بیانِ صحیح کے ساتھ ہماری خطا پر مطلع فرمائیں، انشاء اللہ ہم اس غلطی کو اگلے ایڈیشن میں درست کردیں گے اور ان کے مشکور بھی ہوں گے۔

سید محمد احسن

۷ رشوال المکرم ۱۴۴۳ھ-۹ رمئی ۲۰۲۲ء بروز دوشنبہ

الحمدُ لِلْمُتَوَحِّدِ — بِجَلَالِهِ الْمُتَفَرِّدِ
وَصَلٰوتُهُ دَوْمًا عَلٰى — خَيْرِ الْاَنَامِ مُحَمَّدٍ
وَالْاٰلِ وَالْاَصْحَابِ هُمْ — مَاوَايَ عِنْدَ شَدَائِدِ

اَمَّا بَعْدُ: فَاعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اِنَّ رَبَّكَ لَبِالْمِرْصَادِ

صدق الله العلی العظیم

اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے کلامِ مقدس میں ارشاد فرماتا ہے:

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا لُقْمٰنَ الْحِكْمَةَ اَنِ اشْكُرْ لِلّٰهِ وَمَنْ يَّشْكُرْ فَاِنَّمَا يَشْكُرُ لِنَفْسِهٖ وَمَنْ كَفَرَ فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ حَمِيْدٌ * وَاِذْ قَالَ لُقْمٰنُ لِابْنِهٖ وَهُوَ يَعِظُهٗ لَا تُشْرِكْ بِاللّٰهِ اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ * وَوَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ حَمَلَتْهُ اُمُّهٗ وَهْنًا عَلٰى وَهْنٍ وَّفِصٰلُهٗ فِيْ عَامَيْنِ اَنِ اشْكُرْ لِيْ وَلِوَالِدَيْكَ اِلَيَّ الْمَصِيْرُ * وَاِنْ جَاهَدٰكَ عَلٰى اَنْ تُشْرِكَ بِيْ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا وَصَاحِبْهُمَا فِي الدُّنْيَا مَعْرُوْفًا وَّاتَّبِعْ سَبِيْلَ مَنْ اَنَابَ اِلَيَّ ثُمَّ اِلَيَّ مَرْجِعُكُمْ فَاُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ * (پارہ:۲۱، سورۂ لقمان، آیت:۱۵-۱۲)

ترجمہ: اور بیشک ہم نے لقمان کو حکمت عطا فرمائی کہ اللہ کا شکر کر، اور جو شکر کرے وہ اپنے بھلے کو شکر کرتا ہے، اور جو ناشکری کرے تو بیشک اللہ بے پرواہ ہے سب خوبیاں سراہا۔ اور یاد کرو جب لقمان نے اپنے بیٹے سے کہا اور وہ اسے

نصیحت کرتا تھا۔ اے میرے بیٹے اللہ کا کسی کو شریک نہ کرنا، بیشک شرک بڑا ظلم ہے۔ اور ہم نے آدمی کو اس کے ماں باپ کے بارے میں تاکید فرمائی۔ اس کی ماں نے اسے پیٹ میں رکھا کمزوری پر کمزوری جھیلتے ہوئے۔ اور اس کا دودھ چھوٹنا دو برس میں ہے، یہ کہ حق مان میرا اور اپنے ماں باپ کا۔ آخر (تجھے) مجھ تک ہی آنا ہے، اور اگر وہ دونوں تجھ سے کوشش کریں کہ میرا شریک ٹھہرائے ایسی چیز کو جس کا تجھے علم نہیں، تو ان کا کہنا نہ مان۔ اور دنیا میں اچھی طرح ان کا ساتھ دے۔ اور اس کی راہ چل جو میری طرف رجوع لایا۔ پھر میری ہی طرف تمہیں پھر آنا ہے، تو میں بتادوں گا جو تم کرتے تھے۔

اور بتائے گا وہی جو دیکھے گا۔ آخری جملہ کس قدر تہدید آمیز ہے کہ وہ ہماری ہر کرنی دیکھ رہا ہے، اور قیامت میں اس کا بدلہ دیدے گا۔

ہم اس رسالہ میں حضرت لقمان رضی اللہ عنہ کی کچھ وصیتیں اور نصیحتیں ذکر کرتے ہیں۔ نیچے ذکر کردہ وصیتیں وہ ہیں، جن کو اللہ تعالیٰ نے سورۂ لقمان (پارہ:۲۱) کی آٹھ آیات مبارکہ میں ذکر فرما کر رہتی دنیا تک لوگوں کی شخصی، خانگی (گھریلو)، معاشرتی، دینی اصلاح وتربیت اور سماجی فلاح وبہبود کے لئے ثبت اور قائم فرما دیا۔ خصوصاً انسان اپنی اولاد کی تربیت کیسے کرے؟ اور سب سے پہلے اپنی اولاد کو کن چیزوں کی وصیت ونصیحت کرے؟

حکیم لقمان کون تھے؟ اور کیا تھے؟

حکیم لقمان بنی اسرائیل کے اولیا اور صالحین میں سے تھے۔ قریب ایک ہزار برس زندگی پائی۔ حضرت داؤد علیہ السلام کا زمانہ پایا اور ان سے بھی علمی

استفادہ کیا۔ ان کے علاوہ تقریباً ایک ہزار پیغمبروں سے علمی استفادہ کیا۔ کہا جاتا ہے کہ ایک ہزار پیغمبروں نے ان سے حکمت کی باتیں سیکھیں۔ خدا کی مخلوق کو پند ونصیحت کرتے۔ اور حضرت حکیم لقمان حکمتِ طب اور حکمتِ حقیقیہ کے حکیم تھے۔ وہ حکمت حقیقیہ جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

يُؤْتِي الْحِكْمَةَ مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَمَنْ يُّؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ اُوْتِيَ خَيْرًا كَثِيْرًا ۭ (پ:۳، البقرۃ:۲۶۹)

ترجمہ: (اپنے بندوں میں) جسے چاہتا ہے اسے علم وحکمت اور حقائق شناسی عطا کرتا ہے۔ اور جسے حکمت وحقائق شناسی ملی، اسے خیر کثیر ملی۔

اِسی حکمتِ الہامی وعطائی کے حکیم تھے حکیم لقمان۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا لُقْمٰنَ الْحِكْمَةَ ۔ (پارہ:۲۱، لقمان:۱۲)

ترجمہ: اور بیشک ہم نے لقمان کو حکمت عطا فرمائی۔

وہ اُس معقولاتی، فلسفی، سائنسی اور منطقی چٹکلوں کے حکیم نہیں تھے، جن کو حکما "حکمت" کہتے ہیں۔ کیونکہ یہ حکمت تو محنت وریاضت سے مؤمن اور غیر مؤمن سب کو مل جاتی ہے، اور یہ حکمت ریاضیہ ظن اور شک سے خالی نہیں ہوتی ہے۔ اسی لئے ان حکما کا آپس میں اختلاف بھی ہوجاتا ہے۔ وہ ایک ہی چیز کے بارے میں آج کچھ کہتے ہیں کل کچھ۔ اس لئے ان کے عقائد ودلائل سب مختلف ہوتے ہیں۔ جبکہ حکیم لقمان اس حکمت کے مالک تھے، جس کے بارے میں صاحبِ جوامع الکلم، حامل وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ سیدنا محمد مصطفیٰ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

جس نے چالیس شب وروز اپنے عمل میں اللہ پاک کے لئے اخلاص کیا، تو اس کے قلب سے اس کی زبان پر علم وحکمت کے چشمے پھوٹنے لگتے ہیں۔

آپ کو معارف حقائق کی حکمت کیسے ملی؟

کہا جاتا ہے: حضرت لقمان ایک دن ایک بڑے مجمع میں لوگوں کو علم و حکمت پر مشتمل وعظ و نصیحت کر رہے تھے۔ اتنے میں اُدھر سے بنی اسرائیل کا ایک سردار نکلا۔ اس نے پوچھا: یہ مجمع کیسا ہے؟ لوگوں نے کہا: یہ بھیڑ حکیم لقمان کا وعظ اور پند و نصیحت سننے کے لئے اکھٹی ہوئی ہے۔ تو وہ ان کی طرف آیا، جب اس نے آپ کو دیکھا تو بولا: کیا تم وہ حبشی غلام نہیں، جو فلاں علاقہ میں بکریاں چرایا کرتے تھے؟ آپ نے فرمایا: ہاں میں وہی سیاہ فام غلام ہوں۔ اس نے کہا: ہم آپ کا جو یہ مرتبہ دیکھ رہے ہیں، یہ آپ کو کیسے ملا؟ آپ نے فرمایا: عمل اور بات کی سچائی، امانت کی ادائیگی اور فضول و لایعنی (جن کاموں یا باتوں کا دین و دنیا میں کوئی فائدہ نہیں، ان) کے ترک (چھوڑنے) سے۔

آپ کی حکمت کا آغاز کیسے ہوا؟

کہا جاتا ہے: آپ کے حکمت بھرے کلام اور معارف وحقائق کا آغاز اس طور پر ہوا۔ آپ ایک دن اپنے مالک کے ساتھ تھے۔ مالک بیت الخلا گیا۔ اس نے قضائے حاجت میں بہت دیر لگائی۔ تو آپ نے پکارا اور فرمایا: بیت الخلا میں بہت دیر تک بیٹھنے سے جگر کو نقصان پہنچتا ہے، ناسور پیدا ہوتا ہے اور حرارت و گرمی سر کی طرف چڑھتی ہے۔ بیت الخلا جلدی جاؤ اور فارغ ہو کر جلدی نکلو۔ (یعنی پیشاب، پاخانہ روکنا بھی نہیں چاہئے، جیسے ہی حاجت ہو فوراً جانا چاہئے اور بیت الخلا میں بہت دیر بیٹھنا بھی نہیں چاہئے۔) پھر آپ نے اس حکمت

بھرے فارمولے کو بیت الخلا کی دیوار پر لکھ دیا۔

جسم کے سب سے بہتر اور سب سے بدتر اجزا

حکایت: آپ کے ابتدائی دور۔ جب آپ اپنے مالک کی بکریاں چراتے تھے۔ کے حکیمانہ کلاموں میں سے ایک عارفانہ حکایت ہے۔

ایک دن آپ کے مالک نے آپ کے علم و عقل اور حکمت کا امتحان لیتے ہوئے کہا: ایک بکری ذبح کر کے اس کے جسم کے سب سے پاکیزہ اور اچھے دو حصے میرے پاس لاؤ۔ تو آپ نے بکری ذبح کی اور اس کا دل اور زبان مالک کی خدمت میں لے کر آ گئے۔ پھر دوبارہ اس نے ایک دن کہا: جانوروں میں جو سب سے بدترین اور خبیث حصے ہیں وہ لے کر آؤ۔ آپ پھر دل اور زبان لے کر آ گئے۔ مالک نے حکیم لقمان سے پوچھا: جب ہم نے سب سے پاکیزہ عضو منگوایا، تب بھی آپ دل اور زبان لے کر آئے اور جب سب سے خبیث اور بدتر جز منگوایا، تب بھی آپ دل اور زبان لے کر آئے، اس کا کیا سبب ہے؟ حکیم لقمان نے جواب دیا: انسان کے جسم میں دل اور زبان یہ دو ایسے عضو ہیں، اگر یہ درست اور پاکیزہ رہیں تو سارے اعضا میں ان سے بہتر کوئی اور عضو نہیں۔ اور اگر یہ دونوں بگڑ جائیں تو ان دونوں سے خبیث اور بدتر کوئی عضو نہیں۔ مالک نے جب آپ کی یہ حکمت بھری بات سنی تو آپ کو آزاد کر دیا۔ (روح البیان)

علما فرماتے ہیں: انسان کے تمام اعضا میں تقریباً آٹھ اعضا خدائی احکام کے مکلف ہیں۔ لیکن ان آٹھ میں اصلاح و تربیت اور حفاظت کا حکم سب سے زیادہ دل، زبان اور آنکھ کے بارے میں دیا گیا ہے۔

بلکہ کہا گیا ہے: دل، زبان اور آنکھ یہ ایسے اعضا ہیں، کہ جب تک بندہ اپنے کریم مولیٰ سے گڑگڑا کر ان کی اصلاح کی دعا نہ کرے، اس وقت تک یہ اصلاح پذیر اور راہ راست پر نہیں آتے ہیں۔ اسی لئے حدیثوں میں دل، زبان اور آنکھ کے خطرات سے بار بار ہوشیار کیا گیا ہے۔

سیدنا اما غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے اخلاق وتصوف پر مشتمل اپنی کتابوں میں ان کی آفتوں، بیماریوں اور ان سے حفاظت ونجات اور ان کے علاج کے بارے میں بڑے بڑے باب باندھے ہیں۔ جو لوگ اپنے دل، اپنی زبان، اپنی آنکھ، اپنے نفس، اپنے پیٹ اور اپنی شرمگاہ وغیرہ کی حفاظت کے طلبگار ہیں، وہ امام غزالی کی تصانیف (اِحیاء العلوم، منہاج العابدین وغیرہ) کی طرف رجوع کریں اور دل وجان سے ان کا مطالعہ کریں۔

چار ہزار پیغمبروں کی خدمت

بعض کتابوں میں مذکور ہے، حکیم لقمان فرماتے ہیں:

میں نے چار ہزار پیغمبروں کی خدمت کی اور ان سے علم وحکمت کی باتیں سیکھیں۔ ان چار ہزار انبیا کے بیشمار معارف وحقائق میں نے اپنے سینے میں جمع کئے۔ ان میں سے میں نے یہ بہت اہم آٹھ باتیں منتخب کیں ہیں۔ (اے عزیز! اب میں تجھے ان کی وصیت کرتا ہوں۔)

(۱) جب تو نماز پڑھے، تو اپنے دل کی حفاظت کر۔ یعنی نماز میں حضورِ قلب اور خشوع وخضوع پیدا کر۔ (۲) جب تو کھانے بیٹھے، تو اپنی حلق کی حفاظت کر۔ یعنی حساب سے کھا۔ (۳) جب تو کسی دوسرے کے گھر میں ہو، تو اپنی نظر کی

حفاظت کر۔ یعنی ادھر اُدھر تانک جھانک مت کر۔ (۴) جب تو مجلس اور لوگوں کے بیچ ہو، تو اپنی زبان کی حفاظت کر۔ یعنی کم بول اور سوچ سمجھ کر بول۔

اور فرمایا: دو چیزیں یاد رکھنے کی ہیں: (۱) اللہ تعالیٰ (۲) موت

اور دو چیزیں بھول جانے کی ہیں:

(۱) اگر تو نے کسی کے ساتھ بھلائی کی ہے، تو اسے بھول جا۔

(۲) اگر تیرے ساتھ کسی نے برائی کی ہے، تو اسے بھول جا۔ (روح البیان)

کہا جاتا ہے اسی طرح کے علم وحکمت اور حقائق ومعارف پر مشتمل تقریباً دس ہزار پند ہائے عظیمہ اور عارفانہ نصیحتیں اور وصیتیں آپ سے مروی ومنقول ہیں۔ جن میں سے تقریباً سو نصیحتیں اور وصیتیں صد پند کے نام سے آج کل کے مدرسوں میں ابتدائی جماعت میں پڑھائی جانے والی کتاب (پہلی فارسی) میں مذکور ہیں۔ مگر افسوس! ان کو بچے تو بچے (کہ وہ تو ان کو بچکانہ انداز میں پڑھتے ہیں) خود مدرس ومعلم بھی ان کو بچکانہ انداز میں پڑھا کر چھٹی کرتے ہیں۔ ان میں سے دس پر بھی معلم ومدرس عامل نہیں ملیں گے۔

امام غزالی کی نصیحت

آج کل کے مفکرین اور پی ایچ ڈی ڈاکٹریٹ کی بڑی بڑی یونیورسٹیز سے تحقیق وتدقیق کی اعلی ڈگریاں لینے والے ذرا غور سے پڑھیں امام غزالی کی اس نصیحت کو۔ آپ فرماتے ہیں:

جس نے تمام اَشیا کو ان کے حقائق سے جان لیا لیکن اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل نہیں کی، وہ شریعت میں اس بات کا مستحق نہیں کہ اسے حکیم یا ڈاکٹر کہا

جائے۔ کیونکہ اس نے تمام اشیا میں سب سے جلیل، سب سے اعلیٰ، سب سے افضل اور عظمت والی ذات کو نہیں پہچانا کیونکہ سب سے افضل اور اعلیٰ علم کو جاننے کا نام ہے 'حکمت'۔ اور علم کی جلالت اور اس کی قدر و منزلت معلوم کی جلالت اور قدر و منزلت کے اعتبار سے ہے۔ جب معلوم جلیل و عظیم ہے، تو اس کا علم بھی جلیل اور عظیم ہوگا۔ اور جب معلوم جلیل اور عظیم نہیں تو اس کا جاننے والا عظیم و جلیل اور بڑا کیسے ہوسکتا ہے؟ اب معلومات میں کوئی بھی اللہ پاک کی ذات وصفات اور اس کے کلام سے جلیل و عظیم اور بڑا نہیں، تو اس کا جاننے والا اور عارف بھی ایسا ہے، کہ اس سے کوئی عظیم اور بڑا نہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ جو خدا کا عارف ہے وہی عظیم ہے۔ اگر چہ وہ ان رسمی اور سماجی علوم میں ضعیف و کمزور اور تقریر و بیان میں قاصر یا تتلا یا گونگا کیوں نہ ہو۔ (روح البیان)

امام غزالی کے اس بیان سے ہمارے وہ علما عبرت و نصیحت پکڑیں، جو کتاب وسنت کے عالم بھی ہیں اور عامل بھی۔ کہ وہ حضرات آج کل کے اسکولوں وکالجوں اور یونیورسٹیوں سے ماسٹر یا پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کرنے والوں کے سامنے احساس کمتری کا شکار ہو کر ان سے مرعوب ہوجاتے ہیں۔ ؎

تیرے دامن میں ہے کس لعل و جواہر کی کمی

جس نے اپنی قدر خود نہ جانی زمانہ اس کی قدر کیوں کرے؟ مال گاہک کی نظر سے بعد میں گرتا ہے، پہلے دکاندار کی نظر سے گرتا ہے۔ آج اہلِ مدارس کو ماڈرن طبقہ نے ہلکا کیوں سمجھا؟ غور کرنے کی ضرورت ہے، کہیں ہم اپنا تقدس تو نہیں کھو بیٹھے؟ ؎

کچھ تو ہے جس کی پردہ داری ہے

یقیناً پہلے کتاب وسنت کے علومِ جلیلہ اور ان کے معارف وحقائق ہماری نظروں سے گرے۔ تبھی اہل علم دوسروں کی نظروں میں ہلکے ہوئے۔ ؎

حکمت کی قسمیں

جس حکمت کے جاننے والے کو حقیقت میں حکیم کہا گیا ہے، اس کی تین قسمیں ہیں:

(۱) **حکمتِ قرآن:** قرآن کریم کے حقائق ومعارف کی معرفت

(۲) **حکمتِ ایمان:** اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات کی معرفت

(۳) **حکمتِ برھان:** اللہ تعالیٰ کے افعال اور اس کی صنعت و کاریگری کے لطائف اور باریکیوں کا ادراک۔ جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں زمین وآسمان، رات دن اور چاند سورج وغیرہ کی تخلیق کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا: لَاٰیٰتٍ لِّاُولِی الْاَلْبَابِ (پارہ: ۴، آل عمران: ۱۹۰)

(ان تمام چیزوں کی تخلیق اور الٹ پلٹ میں) عقل والوں کے لئے (اللہ تعالیٰ کی معرفت کی) بے شمار نشانیاں ہیں۔

اِلہام اور وسوسے میں فرق

حضرت لقمان جس حکمت کے حکیم تھے، اس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ: وہ ایک (غیبی) نور ہے جو الہام اور وسوسہ کے درمیان فرق کرتا ہے۔ یعنی وسوسہ شیطان کی طرف سے اور الہام اللہ تعالیٰ کی طرف سے اِلقا ہوتا ہے۔ اور بندے کے دل میں یہ نور پیٹ کو خالی رکھنے، زمانہ کو عبرت کی نظر سے دیکھنے اور

متفکر رہنے سے پیدا ہوتا ہے۔ یعنی بہت زیادہ کھانے، سونے والوں اور غافلوں کو یہ نور عطا نہیں کیا جاتا ہے۔

کسی حکیم نے کہا ہے: کھانے پینے کی چیزیں جس طرح سے جسم کی غذا ہیں، اسی طرح علم وحکمت، عقل (روح) کی غذا ہیں۔ بندہ کو دنیا میں سب سے افضل واعلیٰ جو چیز دی گئی، وہ علم وحکمت ہے اور آخرت میں جو سب سے اعلیٰ واعلیٰ چیز عطا ہوگی وہ (جنت و) رحمت، اللہ تعالیٰ کی رضا اور دیدار ہے۔

حکیم وعارف کی پہچان

حدیث میں آیا ہے:

جو بندہ دنیا میں زُہد اختیار کرتا ہے، یعنی بہت زیادہ دنیا کی طرف مائل نہیں ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کے دل میں علم وحکمت کے پودے اگا دیتا ہے، پھر اس کی زبان سے علم وحکمت کے جوہر ظاہر ہوتے ہیں۔ اور ایسا انسان اس فریبی دنیا کے عیوب ونقائص سے بھی آگاہ ہوتا ہے اور اپنے نفس کے عیوب سے بھی۔ جب تم اپنے بھائی کے اندر اس طرح کا زہد دیکھو، تو اس کی قربت وصحبت اختیار کرو اور اس کی حکمت ومعرفت بھری باتیں سنو۔ (روح البیان)

لیکن یہ حکمت یا حکیمانہ وعارفانہ کیفیت اس انسان میں پیدا ہوتی ہے، جس کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے تواضع وانکساری عطا کی گئی ہو۔

تواضع کا پھل

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے لوگوں سے پوچھا: دانے اور پودے کہاں پیدا

ہوتے ہیں؟ لوگوں نے کہا: زمین میں۔ تو آپ نے فرمایا: علم وحکمت کے پودے بھی اسی دل میں پیدا ہوتے ہیں، جو زمین کی طرح متواضع ہوتا ہے۔

حضرت حکیم لقمان کو بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے تواضع وانکساری بدرجۂ اتم عطا کی گئی تھی۔ اسی لئے آپ کی زبان سے علم وحکمت کے چشمے جاری ہوئے۔

آپ کے تواضع کی مثال

آپ کا صبر وتحمل اور تواضع دیکھئے۔ کہا گیا ہے: ایک مرتبہ کسی نے آپ سے کہا: آپ کا چہرہ کتنا برا ہے! تو آپ نے (بڑے صبر وتحمل) سے فرمایا: آپ نقش (صورت) پر عیب لگا رہے ہو یا نقّاش (مُصَوِّر) پر؟

حقیقت یہ ہے کہ تواضع وانکساری اللہ تعالیٰ کے مخصوص خزانہ کے رازوں میں سے ایک راز ہے۔ اور یہ مکمل طور پر اللہ تعالیٰ عطا نہیں کرتا ہے مگر نبی، صدیق یا پھر ان کے سچے غلاموں کو۔ آج کل کے ہر تواضع کو تواضع وانکساری نہیں کہا جا سکتا ہے بلکہ یہ آج کل کا تواضع تواضع کم، تملّق وچاپلوسی زیادہ ہے، جو مطلب ومقصد حاصل کرنے کے لئے کیا جاتا ہے۔ حقیقی تواضع تو وہ ہے جس کو ہم نے اپنی کتاب وصیتیں اور نصیحتیں میں سیدنا غوث اعظم کی وصیتوں میں بیان کیا ہے۔

حضرت لقمان کی حکمتِ حکیمانہ

تفسیر کی کتابوں میں آیا ہے: ایک مرتبہ حکیم لقمان کے مالک نے آپ کو اور غلاموں کے ساتھ باغ میں پھل لینے کے لئے بھیجا۔ اور حال یہ تھا کہ آپ اپنے مالک کی نظر میں تمام غلاموں، نوکروں میں سب سے حقیر تھے۔ جب آپ تمام

غلاموں کے ساتھ باغ میں پہنچے، تو انہوں نے سب پھل توڑے اور کھا لئے۔ یہ
حرکت انہوں نے مالک کو غصہ دلانے کے لئے کی۔ جب وہ سب واپس آئے تو
خالی ہاتھ، کیونکہ پھل تو راستے میں سب کھا چکے تھے۔ مالک نے پوچھا: پھل کہا
ں ہیں؟ وہ سب بولے: لقمان نے کھا لئے۔ تو مالک نے ان پر غصہ کیا۔ حکیم
لقمان بولے: یہ جھوٹ بول رہے ہیں، حقیقت یہ ہے کہ پھل انہیں لوگوں نے
کھائے ہیں۔ تو مالک بولا: اس حقیقت وسچائی کو ہم کیسے جانیں کہ پھل انہیں نے
کھائے ہیں؟ حضرت لقمان بولے: آپ سب کو گرم پانی پلایئے، پھر سب کو صحرا
کی دھوپ میں دوڑایئے، جس سے ہر ایک قے کرے گا، اس سے معلوم ہو
جائے گا، کس نے کیا کھایا ہے؟ اور کون خائن ہے کون امین؟ (چنانچہ مالک نے
ایسا ہی کیا) اور کھانے والوں کے پیٹ سے تمام میوے قے میں باہر آ گئے۔ اور
حضرت لقمان کی سچائی اور دوسرے غلاموں کی بد دیانتی ظاہر ہو گئی۔

حضرت مولانا روم اس حکایت کو نقل فرمانے کے بعد خاص طور سے ان
لوگوں کو جو اللہ تعالیٰ کے حقوق (عبادات) اور اس کے بندوں کے حقوق
(معاملات) میں خیانت کر رہے ہیں، نصیحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

جب حضرت لقمان حکیم ۔جو کہ ایک بندہ ہیں۔ کی حکمت کا یہ عالم ہے کہ ان
کی حکمت عملی نے جھوٹوں کے جھوٹ کو ظاہر کر دیا، تو اللہ رب العزت جو علیم وخبیر
بھی ہے اور لطیف وبصیر بھی، اسکی حکمت کا کیا عالم ہوگا؟ اس دن سب کے چھپے
بھید کھل جائیں گے، حالانکہ کوئی نہیں چاہے گا کہ میرا راز کھلے۔

اسی چیز کو مولیٰ تعالیٰ اپنے کلام مجید میں یوں بیان فرماتا ہے:

يَوْمَ تُبْلَى السَّرَائِرُ ۔ (پارہ:۳۰۔الطارق:۹)

ترجمہ: جس دن سب چھپے راز کھولے جائیں گے۔

جو خائن ہوگا، وہ رسوا ہو جائے گا۔ آدمی کے لئے سکون نفس (قلبی سکون)
سے بڑی کوئی نعمت نہیں۔

آپ فرماتے ہیں: باپ کا بیٹے کو مارنا ایسا ہی ہے، جیسے کسان کا کھیتی کی
زمین کو جوتنا یا گوڑنا۔

یعنی جس طرح کسان کھتی کو اس لئے جوتتا یا گوڑتا ہے کہ: اس سے اچھی فصل
تیار ہو، ایسے ہی عقلمند باپ بھی اولاد کے ساتھ سختی اور نرمی کا جو معاملہ کرتا ہے، وہ
تکلیف دینے کے لئے نہیں، بلکہ اسے مؤدب بنانے کے لئے۔

آپ کی اوپر کی دو نصیحتوں سے وہ لوگ عبرت حاصل کریں، جو دولت کے
لالچ میں صحت کو داؤں پر لگا دیتے ہیں۔ دوسری نصیحت سے وہ لوگ عبرت
حاصل کریں، جو عزت وشہرت اور دولت حاصل کرنے کے لئے چین وسکون کھو
بیٹھتے ہیں۔ جبکہ حقیقی سکون تو مولیٰ کی یاد میں ہے۔

أَلَا بِذِكْرِ اللهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوبُ ۔ (پارہ:۱۳۔الرعد:۲۸)

ترجمہ: سن لو! دلوں کا چین اللہ کی یاد ہی میں ہے۔

آپ کی ایک عارفانہ وصیت

ایک دن آپ نے اپنے بیٹے کو وصیت کرتے ہوئے فرمایا:

بیٹے! بڑے بڑے محلوں اور کوٹھیوں والوں کے یہاں نہ جایا کرو۔ اس لئے
کہ اس سے (دل میں) دنیا کی رغبت اور آخرت سے غفلت پیدا ہوتی ہے۔ اگر
آخرت کی سعادت ونیک بختی چاہتے ہو، تو دنیا سے کنارہ کشی کرو اور جنازہ میں

شریک ہو کر کچھ دیر اس کے ساتھ چلا کرو۔ موت کو (ہر وقت) اپنی آنکھوں کے
سامنے رکھا کرو۔ اور دنیا سے صرف اتنا لو جس سے (سکون سے) گزارہ ہو سکے۔
فضول اور زائد کو ہاتھ مت لگانا۔ اور جہاں تک ہو سکے، عورتوں سے بہت دور
رہو۔ خصوصاً بری عورتوں سے بچنے کے لئے اللہ تعالیٰ سے دعا اور فریاد بھی کرو۔
کیونکہ یہ شیطان کا خطرناک جال اور فتنہ کا سبب ہیں۔ (روح البیان)

آپ کی اس عارفانہ وصیت میں دل سے دنیا کی محبت نکالنے، آخرت کی
رغبت پیدا کرنے اور دلوں سے قساوت وغفلت کی بیماری ختم کرنے کے لئے
بہت کچھ خزانہ ہے۔ مگر ان کے لئے جو بیدار ہیں، غافلوں کے لئے نہیں۔

بیمار دلوں کی دوا

حضرت سیدنا ابن خواص رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: بیمار دلوں کے لئے
پانچ دوائیں بہت مجرب ومفید ہیں:

(۱) غور وفکر کے ساتھ (ٹھہر ٹھہر کر) قرآن عظیم کی تلاوت کرنا۔
(۲) پیٹ کو کھانے سے کچھ خالی رکھنا۔
(۳) رات کے وقت نفل میں قیام کرنا۔
(۴) سحر کے وقت اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں گریہ وزاری (اور استغفار) کرنا۔
(۵) نیک لوگوں کی صحبت اور ہمنشینی اختیار کرنا۔ (روح البیان)

اِن پانچ میں پانچویں تو بہت آسان ہے۔ لیکن ہماری قوم آج نیکوں کی
صحبت سے بھی محروم ہے۔ کہ یا تو نیک لوگ میسر نہیں یا قوم میں تلاش وجستجو نہیں۔
یا آج کی جدید سائنس وٹکنالوجی کی ایجادات، موبائل، کمپیوٹر اور انٹرنیٹ وغیرہ کی

مشغولیت نے نیکوں کی صحبت سے دور کر دیا۔ جب کہ حدیثوں میں تاکید کی گئی
ہے کہ اللہ تعالیٰ کے محبوب اور برگزیدہ بندوں کے حضور (بارگاہ میں) حاضر ہوا
کرو۔ کیونکہ ان کی محفلوں میں رحمت کا نزول ہوتا ہے۔ ان کی صحبت کی برکت
سے بگڑے دل درست اور دعائیں مقبول ہوتی ہیں۔ ایسے ہی حدیث میں بروں
کی مجلس سے بچنے کی تاکید کی گئی ہے۔ بلکہ ایسی مجلسوں سے پناہ مانگنے کا حکم دیا گیا
ہے۔ کیونکہ ایسی مجلسوں میں خدا کے غضب کا نزول ہوتا ہے۔

نیکوں کی صحبت میں کیا کیا ملتا ہے؟

نیک لوگوں کی صحبت وہمنشینی سے بگڑے انسان بنتے ہی نہیں، بلکہ ان کی
صحبت میں اصلاحِ قلب، جذبۂ عبودیت وبندگی، محبتِ خدا ورسول کے ساتھ علم
وحکمت اور ادب ومعرفت کا بے بہا خزانہ بھی ملتا ہے۔

حضرت سیدنا عیسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ السلام نے فرمایا: یہ مت کہو کہ علم آسمانوں پر
ہے، کون چڑھ کر لائے؟ یہ بھی نہ کہو کہ علم زمین کی تہ میں ہے، کون نکال کر لائے؟
یہ بھی نہ کہو کہ علم دریاؤں کے پار ہے، دریا پار کر کے کون لائے؟ (ارے) علم تو
تمہارے دلوں کے اندر ہے۔ تم صرف اتنا کرو کہ اللہ تعالیٰ کے سامنے (اس کی
بارگاہ میں) روحانی لوگوں اور صالحین کی طرح ادب سے رہو۔ وہ سب اعلیٰ
خزانے خود بخود ظاہر ہو جائیں گے۔

قرآنی وصیتیں

قرآن کریم میں مولیٰ تعالیٰ نے بہت سی ایسی آیتیں نازل فرمائی ہیں، جن

میں جنت کی بشارتیں، دوزخ سے ڈرانے کا بہت سا سامان، عبرت و بصیرت حاصل کرنے کے لئے احسن القصص (اچھے اچھے قصے) اور بڑی عمدہ عمدہ مثالیں اور ترغیب وترہیب پر مشتمل اللہ تعالیٰ اور اس کے پیاروں کی بیشمار وصیتیں اور نصیحتیں موجود ہیں۔

ہر مومن - چاہے وہ مطیع وفرمانبردار ہو یا عاصی ونافرمان - کے دل میں اللہ تعالیٰ کے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور قرآن پاک کی عظمت ومحبت بہت زیادہ ہے۔ فرمانبرداروں کے دلوں میں قرآن کریم اور اللہ پاک کے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عظمت ومحبت تو ظاہر ہے۔ کہ وہ کتاب وسنت پر عامل ہیں۔ ان کا عمل اور ان کی اِتباعِ سنت ان کے دلوں کی کیفیت بتا رہی ہے۔

لیکن جو لوگ دنیا کی لذتوں اور خواہشات میں گرفتار ہیں، نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور قرآن کی محبت ان کے دلوں میں بھی ہے۔ جیسا کہ وقتاً فوقتاً جب نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور قرآن کی عظمت کی بات آتی ہے تو سب سے پہلے یہ عاصی ونافرمان ہی نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور قرآن کی عظمتوں پر اپنا سب کچھ قربان کرنے کے لئے تیار ہو جاتے ہیں۔ لیکن ایسے لوگ غفلت یا دنیا کی لذت میں پھنس کر یا صحیح صحبت نہ ملنے یا علمِ صحیح اور مخلص مربیوں ومخلص داعیوں کے نہ پائے جانے کی وجہ سے فسق وفجور میں مبتلا ہو کر قرآن وسنت سے دور ہو گئے ہیں۔

کس کی کیا ذمہ داری ہے؟

اب یہ ہمارے علما، مربیوں اور داعیوں کی ذمہ داری ہے کہ وہ قرآن و حدیث سے عبرت ونصیحت کے وہ جواہر پارے نکال کر ملت کے ناواقف لوگوں

تک پہنچائیں۔ اور عام دینی بھائیوں کی ذمہ داری اور ان پر فرض ہے کہ وہ قرآن وحدیث کے ماہر وعامل علما اور داعیوں کے قریب ہوں اور ان سے محبت کر کے قرآن وحدیث کے انوار وتجلیات اور فیوض وبرکات حاصل کر کے اپنے مردہ اور مرجھائے دلوں کو بیدار کریں۔ اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت وفرمانبرداری میں لگ جائیں۔

تربیت کے لئے کافی

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کی انہیں عبرتوں ونصیحتوں اور احسن قصص و حکایات وواقعات میں حضرت لقمان کی تقریباً دس ہزار حکیمانہ عارفانہ وصیتوں میں سے چند وصیتوں کو بیان فرما کر رہتی دنیا تک کے لئے مینارۂ نور بنا دیا۔ تاکہ لوگ ان پر عمل کریں۔ اور یہ وہ وصیتیں ہیں جن کو ''سورۂ لقمان پارہ نمبر اکیس کی آٹھ آیتوں'' میں بیان کیا گیا ہے۔ یہ نصیحتیں انسان کی شخصی (نجی)، خانگی، سماجی اور قومی ومسلکی تعمیر وتربیت کے لئے بہت کافی ہیں۔ اب یہ حقیر اس رسالہ میں وہ آیاتِ قرآنیہ اور وصایا ونصائحِ لقمانیہ ترتیب وار ذکر کرے گا، تاکہ سب عام و خاص ان سے فائدہ حاصل کریں۔

فائدہ کب ہوتا ہے؟

ایک پیاسا ٹھنڈے پانی کی بوتلیں اکٹھی کرے یا اپنے فریج میں جمع کر لے، روح افزا کا شربت بنا کر گلاس پر گلاس جمع کرے یا برف کی سلیوں کے ڈھیر لگا لے، تو کیا صرف شربت کے گلاس، ٹھنڈے پانی کی بوتلیں اور برف کی

سلیاں جمع کرنے سے اس کی پیاس بجھ جائے گی؟ نادان سے نادان کہے گا: جب تک کہ گلاس کا شربت اور بوتلوں کا پانی نہیں پئے گا پیاس ہرگز بجھے گی نہیں۔

ایسے ہی چند دن کا بھوکا گھر میں قسم قسم کے کھانے تیار کرائے یا اپنے شہر کے ہر ہوٹل کے لذیذ کھانے خرید کر گھر میں کھانوں کے ڈھیر لگالے، تو کیا یہ بیس طرح کے کھانے جمع کرنا اس کی بھوک مٹادے گا؟ ہر ذی عقل آدمی کہے گا: جب تک بھوکا یہ کھانے کھائے گا نہیں، اس کی بھوک ختم نہ ہوگی۔

اسی طرح کوئی بیمار اپنے شہر کے تمام ڈاکٹروں اور حکیموں کے نسخے و فارمولے لکھوا کر اپنی جیب میں ہر وقت رکھے رہے یا ہر پیتھک کے ڈاکٹر و حکیم کو دکھا کر اپنے گھر میں ہومیو پیتھک، ایلو پیتھک اور آیورویدک اور یونانی دواؤں کے شربت و سیرپ کی شیشیوں اور ٹیبلیٹ و کیپسول وغیرہ کے پیکٹ الماریوں میں سجا کر رکھ لے، تو کیا یہ دوائیاں، یہ فارمولے اور نسخے اس کی بیماریوں کو دور کردیں گے؟ تو عقلمند و نادان سب کہیں گے کہ دوائیوں کے ڈھیر اور حکیموں کے فارمولے اور نسخے ہرگز اسے فائدہ نہ دیں گے، جب تک کہ ان نسخوں اور فارمولوں پر ڈاکٹر کی لکھی گئی دوائیں ڈاکٹر کی ہدایات کے مطابق وقت پر پرہیز کے ساتھ استعمال نہیں کرے گا۔ اور اگر یہ ڈاکٹروں سے مل کر انہیں فیس دیتا رہا، لیکن ان کے فارمولے اور نسخے استعمال نہیں کئے، تو انجام یہ ہوگا کہ بیماریاں بڑھتی جائیں گی اور یہ ایک دن مرجائے گا۔

ہم اسباب کی دنیا میں رہتے ہیں

اب ایسا کیوں کہ جب تک پیاسا پانی نہ پئے، پیاس نہ بجھے؟ بھوکا کھانا نہ

کھائے، بھوک ختم نہ ہو اور بیمار دوا نہ کھائے، تندرست نہ ہو؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ ہم اسباب کی دنیا میں رہ رہے ہیں، یہاں کام اسباب سے بنتے ہیں۔ پیاس پانی پینے سے بجھتی ہے، بھوک کھانا کھانے سے ختم ہوتی ہے اور بیماری دواؤں کے استعمال سے دور ہوتی ہے۔

ہدایت واصلاح عمل سے ہوتی ہے

بلاشبہ اسی طرح اگر کوئی شخص قرآن کریم کی ترغیبات وترہیبات پر مشتمل آیات و ہدایات اور مولیٰ کریم کی وصایا و ارشادات، حبیب خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اقوال وفرمودات، صحابہ و تابعین اور ائمہ و علمائے دین کے نصائح، وصایا اور ملفوظات اور شریعت وطریقت اور حقیقت ومعرفت پر مشتمل کتابیں اکھٹا کر کے الماریاں سجائے اور ان کو پڑھے نا، یا اپنے شہر اپنے ملک کے تمام عالموں کی روزانہ تقریریں سنے لیکن ان پر عمل نہ کرے، تو کیا صرف کتابیں جمع کرنے اور تقریریں سننے سے اس کو ہدایت مل جائے گی؟ کیا اس کی زندگی میں ان سے تبدیلی آجائے گی؟ تو ہر شخص کہے گا: جب تک ان کتابوں کو پڑھ کر یا سن کر ان کو اپنی عملی زندگی میں ڈھالے گا نہیں اور ان ملفوظات و ہدایات پر عمل کرنے کے لئے اپنے نفس کو مشقت کے لئے آمادہ نہیں کرے گا، اس وقت تک نہ تو اس کی زندگی میں کوئی تبدیلی آسکتی ہے نہ اس کے اعمال ومعاملات اور اخلاق وعادات درست ہوسکتے ہیں۔

لہٰذا اے میرے دینی بھائیو! اس حقیر کے ان چھوٹے چھوٹے کتابچوں اور رسالوں کی کیا حیثیت؟ جب تک آپ اپنے آپ کو عملی جدو جہد کے لئے تیار نہیں

کریں گے، اس وقت تک بڑے بڑے کاملوں اور عارفوں کی مکمل اور معرفت وطریقت سے بھری کتابیں آپ کو کوئی فائدہ نہیں دیں گی۔ مقرروں کی لچھے دار تقریریں سننا اور کتابوں سے الماریوں کو سجانا نہ دنیا میں کوئی فائدہ دے گا نہ قیامت میں نجات کا سبب بنے گا۔ بلکہ کہا گیا ہے: بہت زیادہ کتابیں جمع کرنا اور ان کو نہ پڑھنا قربِ قیامت کی علامتوں میں سے ہے۔

حکیم لقمان کو حکمت ومعرفت کی دولت کیسے ملی؟

کہا گیا ہے: حضرت لقمان ایک دن دوپہر میں سو رہے تھے، تو ایک غیبی ندا آئی: اے لقمان! کیا آپ چاہتے ہو کہ، ہم آپ کو زمین پر (اپنا) خلیفہ اور نائب بنا دیں، تاکہ آپ لوگوں کے بیچ حق اور انصاف سے فیصلے کریں؟ تو آپ نے جواب دیا: اگر میرے رب نے مجھے اختیار دیا تو میں عافیت پسند کروں گا اور میں بلا میں نہیں پڑوں گا۔ (یعنی حکومت وخلافت قبول نہیں کروں گا۔) اور اگر یہ چیز میرے اوپر لازم کر دی ہے، تو بندہ حاضر ہے، قبول کرے گا اور عمل کی کوشش کرے گا۔ اس لئے کہ میں خوب جانتا ہوں اگر مولیٰ کریم یہ ذمہ داری اپنی مرضی سے مجھے دے گا، تو میری مدد بھی فرمائے گا اور مجھے خطا سے بھی بچائے گا۔ تو فرشتوں نے غیبی طور پر ان سے کہا: آپ حکومت وخلافت کیوں نہیں قبول کریں گے؟ (حالانکہ لوگ حکومت وخلافت کے طلبگار ہوتے ہیں۔) آپ نے جواب دیا: حکومت کرنے والا ہر چہار جانب سے مصیبت و پریشانی میں گھر جاتا ہے۔ اگر وہ عدل وانصاف سے کام لے، تو نجات پا جاتا ہے اور اگر (عدل وانصاف سے) ذرا بھی ہٹتا ہے، تو جنت کے راستے سے بھٹک جاتا ہے۔ اور آخرت کے

بدلہ دنیا کی عزت پانے سے، دنیا میں ذلیل وہلکا ہونا بہتر ہے۔ اور جو دنیا کو آخرت پر ترجیح دیتا ہے، اس کے ہاتھ سے دنیا بھی جاتی ہے اور آخرت بھی۔ فرشتوں کو آپ کا یہ علم وحکمت اور نور ومعرفت سے بھرا جواب بہت پسند آیا۔ اس کے بعد حکیم لقمان تھوڑا سوئے، تو انہیں حکمت ومعرفت کے خزانے عطا کئے گئے۔ اور جب بیدار ہوئے تو اس طرح کے وصایا اور عظیم نصیحتیں اپنے بیٹے اور لوگوں سے بیان فرماتے۔ (صاوی)

حکیم لقمان کی کچھ اور وصیتیں

علما فرماتے ہیں: حکیم لقمان کی ان عظیم وصیتوں میں ایک ایک وصیت کی قیمت تمام عالم کے برابر ہے۔ لیکن یہ اس کے لئے ہے جو علم ومعرفت کی قدر جانتا ہے، دنیا داروں کے لئے نہیں۔

نفع بخش تجارت

وصیت: آپ نے اپنے بیٹے سے فرمایا: اے بیٹے! اللہ تعالیٰ کا تقویٰ ہی اپنی تجارت بناؤ، اس میں بلا پیسہ لگائے نفع ملے گا۔

جنازہ اور شادی بیاہ

وصیت: ایک مرتبہ فرمایا: جنازہ میں حاضر ہوا کرو اور شادی بیاہ سے بچا کرو۔ کیونکہ جنازہ کی حاضری آخرت کی یاد دلاتی ہے اور شادی بیاہ کی شرکت دنیا کی خواہش بڑھاتی ہے۔

آج کل کی دعوتوں کا حال

خصوصاً آج کل کے شادی بیاہ اور ولیموں کی دعوتیں جو تفاخر اور ایک دوسرے سے آگے بڑھ جانے کے لئے بیشمار دولت کی بربادی کے ساتھ کی جارہی ہیں۔ جو غفلت اور مال و دولت کی بربادی کے ساتھ ساتھ بہت سے حرام اور ناجائز کاموں پر مشتمل ہوتی ہیں۔ اگر آج اہل اللہ ان لذات وشہوات اور حرام کاریوں کو اپنی آنکھوں سے دیکھتے تو یقیناً ان شادی بیاہ میں شرکت کو حرام قرار دیتے۔

غیرتِ ایمانی کہاں گئی؟

آپ کی اس وصیت سے خاص طور سے وہ دینی قائد اور رہنما عبرت حاصل کریں، جو سامنے حرام کاریاں ہوتے ہوئے دیکھ کر بھی خاموش لذیذ کھانے کھا کر رومال سے منہ پوچھتے ہوئے چلے آتے ہیں۔ اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ ادا کرتے ہوئے ایک لفظ بھی زبان سے نہیں بولتے ہیں۔ آخر ان کے علاوہ بھلائیوں کا حکم کون دے گا؟ برائیوں سے کون روکے گا؟ کیا چندہ، نذرانہ اور لذیذ کھانوں کی خواہش کے ہاتھوں دین اور غیرت ایمانی بِک تو نہیں گئی ہے؟ (ہم نفس کی شرارتوں سے اللہ تعالیٰ کی پناہ چاہتے ہیں۔)

بانگ دینے والے مرغ سے گیا گزرا

وصیت: اپنے بیٹے کو وصیت کرتے ہوئے فرماتے ہیں: اے بیٹے! تو صبح کے بولنے والے مرغ سے گیا گزرا مت ہو جانا، جو صبح سحر میں اٹھ کر اپنی زبان میں

اللہ تعالیٰ کا ذکر اور تسبیح پڑھتا ہے اور تو پڑا اپنے بستر میں سوتا رہتا ہے۔ (صاوی)

افسوس! اب صبح سحر میں اٹھ کر ذکر و تسبیح کرنے والے کہاں ملیں گے؟ اب تو حال یہ ہے کہ صبح صادق طلوع ہو جانے کے بعد نماز فجر کے لئے اٹھنے والوں ہی کے لالے پڑے ہیں۔ صبح صادق سے پہلے سحر میں اولاد کو اٹھانا تو بہت بڑی بات ہے، اب فجر کا فرض ادا کرنے کے لئے خود ماں باپ ہی نہیں اٹھتے ہیں۔ مولیٰ کریم ہمیں اور ہماری قوم کو اس عظیم دولت سے مالا مال فرمائے۔

موت اچانک آتی ہے

وصیت: آپ فرماتے ہیں: اے بیٹے! توبہ میں تاخیر کبھی مت کرنا۔ کیونکہ موت اچانک آتی ہے۔ (صاوی)

ہمارے وہ بھائی بہن جو صبح فجر میں پڑے غفلت کی نیند سوتے ہیں، خواب غفلت سے اٹھیں اور اس سے پہلے کہ موت آجائے جلد توبہ کریں۔

وصیت: آپ فرماتے ہیں: اے بیٹے! اس بات سے بہت ڈرنا کہ لوگوں کو دکھانے کے لئے اپنا خاشع اور متقی ہونا ظاہر کرو، تاکہ وہ تقویٰ کی وجہ سے تمہاری عزت کریں۔ حالانکہ تمہارا دل اندر سے فاسق فاجر اور بدکاری میں مبتلا ہو۔

آپ کی اس وصیتِ عظیمہ سے عموماً سب لوگ اور خصوصاً وہ دینی رہنما و پیشوا جو تلامذہ، مریدوں اور مقتدیوں میں، جلسے جلوسوں یا عوامی زندگی میں تقویٰ اور صوفیانہ طرز عمل ظاہر کرتے ہیں۔ جب کہ ان کی گھریلو اور نجی زندگی فاسقوں اور فاجروں سے بدتر ہوتی ہے۔

وصیت: آپ نے فرمایا: اے بیٹے! خاموشی پر کبھی شرمندہ مت ہونا۔

اگر گفتگو چاندی ہے، تو خاموشی سونا۔ (صاوی)

یعنی فضول اور لایعنی باتوں سے پرہیز کرنا چاہئے۔ اور ضرورت پڑنے پر یا جب بات کرنے سے دین و دنیا کا فائدہ ہو تو بولنا چاہئے۔

علما کی صحبت

وصیت: آپ فرماتے ہیں: اے بیٹے! علما کی مجلسوں میں ضرور جایا کرو اور ان کا عارفانہ کلام دھیان سے سنا کرو۔ اس لئے کہ اللہ پاک حکیمانہ اور عارفانہ گفتگو کے نور سے مردہ دلوں کو ایسے ہی زندگی اور تر و تازگی بخشتا ہے، جیسے خشک زمین کو پانی سے۔ (صاوی)

افسوس! اب وہ عارفانہ مجلسیں کہاں؟ اور اُن مجلسوں کے طلبگار کہاں رکھے؟ جب کہ قریب قریب ہر شخص گناہ کر کے اتراتا نظر آتا ہے۔

حکیم لقمان سے کسی نے پوچھا: سب سے بدتر آدمی کون ہے؟ تو آپ نے فرمایا: جو گناہ اور برائی کرنے میں اتنا نڈر اور جری ہو گیا ہو کہ اللہ تعالیٰ سے نہ ڈرنے کے ساتھ لوگوں کی بھی پرواہ نہ کرے۔ (صاوی)

جھوٹ کی مذمت

وصیت: آپ فرماتے ہیں: جو جھوٹ بولے گا، اس کے چہرے کی رونق جاتی رہے گی۔

وصیت: اور فرماتے ہیں: بد اخلاق کے رنج و غم بڑھ جاتے ہیں۔

وصیت: (احمقوں کی تعلیم کے بارے میں) فرماتے ہیں: غبی اور احمق کو

(باریک نکتے) سمجھانے سے بھاری چٹان کو اپنی جگہ سے ہٹانا آسان ہے۔

وصیت: آپ فرماتے ہیں: اے بیٹے! جب تک سیکھے ہوئے پر عمل نہ کر لو، تب تک نامعلوم کو معلوم مت کرو۔ (صاوی)

آپ کی اس نصیحت سے وہ حضرات عبرت حاصل کریں، جو کتابوں پر کتابیں جمع کر رہے ہیں اور علم حاصل کرنے میں بہت آگے ہیں، مگر عمل ایک پیسہ بھی نہیں۔

وصیت: آپ فرماتے ہیں: اے بیٹے! تم اپنی زبان کو اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لِیْ کا عادی بنالو۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کے یہاں کچھ ایسی مخصوص ساعتیں ہیں، جن میں دعا رد نہیں کی جاتی۔

قرض کا بوجھ

وصیت: آپ فرماتے ہیں: بیٹے! جہاں تک ہو سکے قرض سے بچنا اس لئے کہ قرض اگر رات کی کڑھن ہے، تو دن کی ذلت ہے۔

خدا کی رحمت سے مایوس نہ ہو

وصیت: آپ فرماتے ہیں: بیٹے! تم اللہ تعالیٰ (کی رحمت) سے ایسی لو اور امید لگاؤ، جو تمہیں اس کی نافرمانی پر نہ ابھارے۔ اور خوف و ڈر بھی اپنے دل میں اللہ تعالیٰ اور اس کے عذاب کا ایسا رکھو، جو اللہ تعالیٰ کی وسیع اور کشادہ رحمت سے تمہیں مایوس نہ کرے۔ (صاوی)

حدیث و تفسیر کی کتابوں میں اس طرح کی بہت سی عارفانہ وصیتیں اور عالمانہ نصیحتیں آپ سے منقول و مروی ہیں۔

حکمت کا عطیہ

ہماری گزری ہوئی تقریر سے معلوم ہو گیا کہ علم وحکمت اور معرفت یہ اللہ تعالیٰ کا ایک خاص عطیہ ہے۔ اللہ پاک اپنے بندوں میں سے جسے چاہتا ہے عطا فرماتا ہے۔ یہ کسی خاص شخص، قبیلہ یا خاندان کی ملکیت و وراثت نہیں۔ اور یہ بھی بتا دیا گیا کہ جسے نعمتِ حکمت ومعرفت مل جائے، اسے خیر کثیر اور بڑی نعمت مل گئی۔ خیرِ کثیر اور بڑی نعمت اللہ تعالیٰ انہیں کو عطا کرتا ہے، جو اس کے اہل ہوتے ہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کا عطیہ ہے، خاندانی وراثت نہیں، جو نسل در نسل منتقل ہوتی ہے۔ اور حکمت تو ایسی نعمت ہے، جو بہت سی خیرات وحسنات اور بھلائیوں کی جامع ہے۔ جس کو اللہ تعالیٰ ان الفاظ میں بیان فرماتا ہے:

وَمَنۡ يُّؤۡتَ الۡحِكۡمَةَ فَقَدۡ اُوۡتِىَ خَيۡرًا كَثِيۡرًا ۔ (البقرۃ:۲۶۹)

ترجمہ: اور جسے حکمت ملی اسے بہت بھلائی ملی۔

شکر نعمت

علما فرماتے ہیں: جس طرح جنت میں اللہ تعالیٰ کے دیدار سے بڑی کوئی نعمت نہیں، اسی طرح دنیا میں اس کی معرفت سے بڑی کوئی نعمت نہیں۔

حکمت اللہ تعالیٰ کے انعامات واکرامات میں سے بڑی نعمت ہے۔ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت لقمان کو حکمت عطا فرمائی، تو اس نعمت کی عطا پر ان سے شکر کا مطالبہ کیا۔ اور فرمایا: اَنِ اشۡكُرۡ لِلّٰهِ ۔ (پارہ:۲۱۔لقمان:۱۲)

ترجمہ: (ہم نے لقمان سے کہا:) اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرو۔ (نعمتِ

حکمت ومعرفت پر کہ یہ نعمت ہم نے آپ کو اس وقت عطا کی تھی جب آپ سو رہے تھے اور معرفت سے غافل تھے۔)

کوئی بھی نعمت یا اس کی منفعت اس وقت مکمل ہوتی ہے، جب اس میں دوام اور پائداری ہو۔ نعمت ملے اور چھن جائے، وہ نعمت تام نہیں۔ اب نعمت دائم وقائم کیسے رہے گی؟ اس راز کو بھی مولیٰ تعالیٰ نے اسی آیت میں ظاہر فرما دیا۔

وَمَنۡ يَّشۡكُرۡ فَاِنَّمَا يَشۡكُرُ لِنَفۡسِهٖ ۔ (پارہ:۲۱۔لقمان:۱۲)

ترجمہ: جو (مولیٰ کریم کی نعمتوں پر) شکر ادا کرتا ہے، وہ اپنے نفع ہی کے لئے کر رہا ہے۔

چونکہ شکر سے نعمتوں میں دوام وپائداری کے ساتھ مولیٰ کریم کی طرف سے نعمتوں میں اضافہ کا وعدہ بھی ہے۔ جیسا کہ اس کا ارشاد ہے:

لَئِنۡ شَكَرۡتُمۡ لَاَزِيۡدَنَّكُمۡ ۔ (پارہ:۱۳۔ابراھیم:۷)

ترجمہ: اگر تم (شکر ادا کر کے) احسان مانو گے تو میں تمہیں اور دوں گا۔

اور ناشکری سے نعمتیں چھن جاتی ہیں۔ جیسا کہ فرمان الٰہی ہے:

وَمَنۡ كَفَرَ فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِىٌّ حَمِيۡدٌ ۔ (پارہ:۲۱۔لقمان:۱۲)

ترجمہ: جو اپنے رب کی نعمت کی ناشکری کرے گا (تو ناشکری کا وبال اسی کے سر تھوپا جائے گا) کیونکہ اللہ تعالیٰ (تو بندے اور اس کے شکر سے) بے نیاز اور (اپنی ذات وصفات اور اپنے افعال میں) محمود وسراہا ہوا ہے۔

بندے تعریف اور شکر کریں یا نہ کریں۔ اس حمد وثنا کا احصا اور شمار نہیں کیا جا سکتا، جو اس نے اپنی ذات کی ثنا اور تعریف کی ہے۔ علما فرماتے ہیں:

رَأْسُ الْحِكْمَةِ الشُّكْرُ لِلّٰهِ ثُمَّ خَشِيَّتُهٗ ثُمَّ الْقِيَامُ بِطَاعَتِهٖ۔

سب سے بڑی حکمت ودانائی اللہ تعالیٰ کا شکرادا کرنا ہے، پھراس کا خوف و خشیت، پھراس کی طاعت وفرمانبرداری کرنا۔

حضرت لقمان حکیم نے اس بنیادی حکمت پر بھی عمل کیا، کہ اپنے رب کا شکر بھی ادا کیا اوراس کی طاعت وفرمانبرداری بھی کی۔ حضرت لقمان کے اس واقعہ کو ہماری ہدایت کیلئے بھیجی گئی کتاب میں بیان فرما کرہمیں اس بات کا درس دیا گیا کہ ہم اس نعمت وحکمت کے حاصل کرنے کے لئے جد وجہد کریں۔ اور اپنے رب تعالیٰ سے سوال کریں کہ وہ اپنے فضل سے ہمیں نعمت وحکمت عطا کرے، اس کی تحصیل کی توفیق دے۔ اور یہ دعا کریں کہ جب وہ نعمتیں ہمیں عطا کردے، توہم اس کے شکرگزار بندے بنیں۔

قرآن کریم میں مذکور حضرت لقمان کا یہ واقعہ مُرَبِّیانِ زمانہ کے لئے خاص طور سے عبرت ونصیحت ہے۔ چاہے وہ ماں باپ ہوں یا معلم ومدرس۔ کیونکہ تعلیم وتربیت اور درس وتدریس کا یہ عمل بہت اہم اور سخت ترین کاموں میں ایک کام ہے۔ ویسے تو ہر کام حکمت ودانائی کا محتاج ہے، لیکن ننھے بچوں اور نوخیز نسل کی تربیت بلاحکمت کے ممکن نہیں۔

علماحکمت کا ایک معنی یہ بھی بیان کرتے ہیں: **وَضْعُ الشَّیْئِ فِی مَحَلِّهٖ**

اصل حکمت شئی کواس کے محل میں رکھنے کا نام ہے۔

حضرت لقمان نے اپنے بیٹے کو وصیت کے لئے کیا انداز اپنایا! اس کو اگلی آیت میں پڑھیئے۔

وَاِذْ قَالَ لُقْمٰنُ لِابْنِهٖ وَهُوَ يَعِظُهٗ ۔ (پارہ:۲۱۔لقمان:۱۳)

ترجمہ: (اے محبوب! اپنی امت کو وہ وقت یاد دلاؤ) جب لقمان اپنے

بیٹے کو (مؤثر انداز میں) نصیحت کررہے تھے۔

اللہ تعالیٰ ان آیتوں میں حضرت لقمان کی کچھ وہ وصیتیں اور نصیحتیں بیان فرما رہا ہے، جوحضرت لقمان نے اپنے گھر والوں خصوصا اپنے بیٹوں کو کی ہیں۔ اس آیت میں چند چیزوں پر غور کرنے کی ضرورت ہے۔

اولاد کی تربیت کے لئے وقت نکالئے

اس وصیت کو وہ حضرات خاص طور پر پڑھیں، جو اپنی اولاد کی راحت و آرام کے لئے توسب کچھ مہیا کررہے ہیں، لیکن اولاد کی تربیت کے لئے ان کے پاس وقت نہیں ہے۔ انہوں نے اپنا سب سے پہلا فریضہ ترک کرکے اسکول، کالج یا مدرسہ کے معلم وٹیچر پر چھوڑ دیا یا پھر ماحول کے حوالے کر دیا۔ حضرت لقمان کتنے بڑے حکیم تھے، کتنی مصروف زندگی تھی ان کی، کہ حضرت داؤد علیہ السلام کے اعلانِ نبوت سے پہلے بنی اسرائیل میں اِفتا (فتوی دینے) کے فرائض انجام دیتے تھے اور مجلسوں میں وعظ و بیان بھی کیا کرتے تھے۔ اس کے باوجود اپنے اہل خانہ اور بچوں کی تربیت کے لئے وقت دیتے تھے۔

آپ کے اس طریقہ سے پتہ چلا کہ انسان کتنا ہی مصروف کیوں نہ ہو، لیکن اسے چاہئے کہ اپنی اولاد کی تعلیم وتربیت کے لئے وقت ضرور نکالے۔

اور (**وَهُوَ يَعِظُهٗ**) سے یہ بھی معلوم ہوا کہ تعلیم وتربیت کے لئے مشفقانہ و نرمی کا رَویہ اختیار کرے اور جارحانہ انداز سے بچے۔ شفقت ونرمی پر مشتمل ایسی مؤثر نصیحت و وصیت کرے، جو اس کے شعور واحساس کو بیدار کرے اور قلب میں مؤثر ثابت ہو۔

بیوی بچوں سے باتیں

اس آیت سے یہ بھی ثابت ہوا کہ انسان کی رات دن کی مصروفیات ومشغولیات کے چارٹ میں بیوی بچوں سے گفتگو اور ان کو پند ونصیحت کرنے کے لئے بھی ایک وقت ہونا چاہئے۔

حضرت لقمان کی اس وصیت ونصیحت اور اندازِ تربیت سے وہ لوگ خاص طور پر عبرت ونصیحت حاصل کریں، جو تقریر وتبلیغ کے لئے بڑے بڑے لمبے سفر کرتے ہیں۔مگر خود اپنی بیوی بچوں کی تربیت سے غافل ہیں۔

آج کے اس جدید ماحول۔جس کے فتنوں نے ہر شخص کو اپنی زد میں لے لیا ہے۔میں وہ لوگ اس وصیت پر بہت غور کریں، جو پند ونصیحت اور بچوں کی دینی تربیت کو غیر ضروری اور غیر مناسب سمجھ کر چھوڑ دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ بڑا ہو کر خود صحیح ہو جائے گا۔

ہر انسان نصیحت کا محتاج

آپ کی اس وصیت سے وہ لوگ بھی نصیحت حاصل کریں، جو بڑے ماں باپ کی اولاد ہیں یا خود بڑے باپ ہیں۔یہاں جو وصیت کر رہا ہے وہ خود کتنا بڑا باپ ہے اور جس کو وصیت کر رہا ہے، وہ بڑے باپ کا بیٹا ہے۔اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر انسان کا نفس اور دل ایسے پند ونصیحت سے تزکیہ (پاکیزگی) وتصفیہ (صفائی) کا محتاج ہے، جو اس کو مہذب بنا دے۔تا کہ اس کی زندگی میں اعتدال وتوازن قائم رہے۔

ابدی سعادت کی بات

آپ کی اس وصیت سے ایک بات اور ثابت ہوتی ہے کہ ہم اپنی بیوی بچوں کو پند ونصیحت کرنے میں صرف اس کے عقل ودماغ سے مخاطب نہ ہوں۔بلکہ اس کے قلب وروح کو مؤثرانہ انداز میں جھنجھوڑنے کی کوشش کریں۔جیسا کہ حضرت لقمان نے اپنے بیٹے کو [یَا بُنَیَّ] کہہ کر مخاطب کیا۔عربی زبان میں [بُنَیَّ] تصغیر کا صیغہ ہے، جو تَلَطُّف ومہربانی اور اظہار محبت کے لئے بولا جاتا ہے۔اور باپ اور اولاد کے بیچ جو باطنی تعلق ورابطہ ہے، اس پر بھی یہ لفظ بھرپور دلالت کرتا ہے۔یہ آپ کے باطنی تعلق اور قربت کا ہی نتیجہ تھا کہ آپ نے اپنے بیٹے کو سب سے پہلے وہ وصیت کی، جس میں اس کی ابدی اور ہمیشگی کی سعادت پوشیدہ تھی۔یعنی اسے سب سے پہلے شرک سے روکا اور فرمایا:

لَا تُشْرِكْ بِاللّٰهِ۔ (پارہ:۲۱۔لقمان:۱۳)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کی ربوبیت اور عبادت وبندگی میں کسی کو شریک مت کرنا۔

اور آپ نے اس وصیت میں صرف اپنی شفقت پدری کو ظاہر کرتے ہوئے پیار ومحبت سے بول کر اس کے قلب وروح کو جھنجھوڑنے پر اکتفا نہیں کیا، بلکہ اپنی وصیت ونصیحت کو دلیل کے ذریعہ مؤثر اور باوزن بنا کر پیش کیا۔(لَا تُشْرِكْ بِاللّٰهِ) اگر دعویٰ ہے، تو (اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ) اس کی وزن دار دلیل ہے۔

بنیادی چیزوں کی نصیحت

آپ کی اس نصیحت سے اولاد کے سرپرست اور تعلیم گاہوں کے مربی ومعلم

عبرت حاصل کریں۔ انہیں چاہئے کہ وہ تعلیم وتربیت میں ان چیزوں کو مقدم رکھیں، جو بچوں کی دینی اور ایمانی زندگی میں اہم سے اہم تر ہوں۔ جیسے حضرت لقمان نے اپنے بیٹے کو سب سے پہلے سب سے اہم اور بنیادی چیز۔شرک سے بچنے [اور توحید کا عقیدہ قائم کرنے کی]۔کی وصیت کی۔

آپ کی اس وصیت سے آج کے وہ ماں باپ خاص طور سے نصیحت حاصل کریں، جو دین اور دین کے بنیادی عقیدوں کے سلسلہ میں اولاد کی طرف سے بالکل غافل رہتے ہیں اور یہ کہہ کر چھوڑ دیتے ہیں: ارے مسلمان کے گھر پیدا ہوا ہے، مسلمان ہی رہے گا، کافر تھوڑی ہو جائے گا۔ دیکھو حضرت لقمان اپنے بیٹے کو سب سے پہلے ایمان اور توحید کی وصیت کر رہے ہیں۔ حالانکہ جس وقت وہ اپنے بیٹے کو وصیت کر رہے تھے، باپ بیٹے دونوں مومن تھے، اس کے باوجود وہ اِس بنیادی عقیدہ کی نصیحت سے غافل نہیں رہے۔ کیونکہ توحید وایمان وہ بنیادی چیز ہے، کہ تمام انبیاومرسلین علیہم السلام نے اپنی قوموں کو عبادت وبندگی کے مسائل و احکام بعد میں سکھائے اور اس عقیدۂ توحید کی اصلاح پہلے کی۔

ماں باپ کا بنیادی فرض

ماں باپ کی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنی اولاد کے عقیدہ کو مسجد کے امام یا مدرسہ کے معلم کے رحم وکرم پر نہ چھوڑیں۔ بلکہ اپنی اولاد کی اصلاح وتربیت کے لئے اپنی مصروفیات سے کچھ وقت نکالیں، ان کے ساتھ بیٹھیں اور ان کے قلب و روح کو مخاطب کر کے ایمان وعقیدہ اور توحید ورسالت کی عظمتوں پر روزانہ ان سے مؤثر انداز میں کچھ نہ کچھ گفتگو کریں۔ شرک کے خطروں سے آگاہ کریں۔ انہیں شرک کی

قسموں (شرک جلی اور شرک خفی ریا) کے بارے میں بتائیں۔ یہ کہہ کر نہ چھوڑ دیں کہ یہ سب کچھ انہیں معلوم ہے یا معلوم ہو جائے گا۔

عقیدوں سے غافل

بہت سے بچے مسلمان کے گھر پیدا ہونے کے بعد بھی ان عقیدوں اور ان عقیدوں کی عظمتوں سے جاہل رہتے ہیں۔ خصوصاً آج اس دور میں، جس میں ذرائعِ اِبلاغ اور رابطہ کے اسباب اپنے شباب پر اس درجہ پہونچے ہوئے ہیں، کہ ہندستان کے گاؤں میں رہنے والا آدمی بھی امریکہ اور لندن میں رہنے والے کا عقیدہ اختیار کر سکتا ہے۔ آج بد عقیدگیوں اور بداعمالیوں کی طرف کھینچنے والے ذرائع واسباب بہت زیادہ ہیں اور توحید ورسالت کی عظمتوں اور عقبیٰ وجنت کی طرف کھینچنے والے اسباب یا تو بہت کم ہیں یا نہ کے برابر۔ اور آج کل لوگوں کے باطنی حالات یہ ہیں، کہ اندر سینے میں گناہ و برائی سے روکنے والا زَاجِر (جھڑکنے والا) نہیں ہے۔ ضمیر مر چکے ہیں۔

حکایات وواقعات کا ذریعہ

اس لئے ماں باپ اور مُربیوں کی ذمہ داری ہے کہ اگر چہ بچے مسلمان کے گھر میں پیدا ہوئے ہیں، اس کے باوجود اپنے بچوں کے دلوں میں سب سے پہلے خالق ومالک کی عظمتیں، اس کی عظیم قدرتیں اور اس کے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عزت وعظمت اور خدا ورسول کی محبت پیدا کریں۔ اللہ تعالیٰ کی عبادت اور اس کے رسول کی اطاعت کتنی ضروری ہے؟ اس کو بھی واقعات وحکایات کے ذریعہ

بتائیں۔ تاکہ وہ عقیدہ کی مضبوطی کے ساتھ عبادت کی ضرورت و اہمیت کو سمجھ کر عبادت کے فرائض وقت پر انجام دیتے رہیں۔ اور یہ بات ان کو ضرور باور کرائیں اور ان کے دلوں میں بٹھائیں، کہ اللہ تعالیٰ ہر ظاہر و باطن اور ڈھکے چھپے کو دیکھتا اور جانتا ہے۔ وہ لطیف و خبیر بھی ہے اور رقیب و بصیر بھی ہے۔ وہ باریک سے باریک چیز سے بھی آگاہ اور خبردار ہے۔

دعا بھی اہم چیز

تربیتی کوششوں کے ساتھ ساتھ ماں باپ اور مربیوں کے لئے یہ بھی ضروری ہے، کہ وہ اولاد کے ایمان وعقیدہ کی حفاظت کے لئے اللہ عالیٰ سے دعا بھی کریں۔ کیونکہ ہم میں جو تربیت دے رہے ہیں اور جن کو تربیت دی جارہی ہے، ان میں کوئی معصوم نہیں ہے۔ اور جس وقت سے ہم گزر رہے ہیں، وہ وقت بھی بہت خطرناک ہے۔ معصوم پیغمبروں نے بھی اپنی اولاد کی تعلیم وتربیت کے ساتھ ساتھ شرک و بدعت سے بچنے کے لئے اللہ تعالیٰ سے دعائیں کی ہیں۔ جیسا کہ اَبُو الانبیاء حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دعا کی:

وَاجْنُبْنِي وَبَنِيَّ أَنْ نَّعْبُدَ الْأَصْنَامَ۔ (ابراھیم:۳۵)

ترجمہ: اے میرے کریم ومہربان رب! مجھے اور میری اولاد کو شرک اور اس کی گندگیوں سے بچا۔

یہ تھا ان کا تواضع اور خوفِ خدا۔ وہ نبی اور معصوم ہونے کے بعد بھی دعا کر رہے ہیں۔ تو ہم پر تو بدرجہ اتم لازم ہے کہ ہم خود کو اور اپنی اولاد کو شرک و بدعقیدگی سے بچانے کے لئے اللہ تعالیٰ سے دعا کریں۔ کیونکہ شرک و بدعت اور الحاد وبے

دینی ایسی گندگی ہے، جو ایمان کو تباہ کرنے کے ساتھ ساتھ عبادت کو بھی ختم کر دیتی ہے۔ لیکن آج اس میدان میں ماں باپ اور اولاد کے سرپرست بالکل غافل اور بے خبر ہیں۔ وہ سائنس اور ٹکنالوجی کے لئے بڑے بڑے اسکول و کالج اور کوچنگ سینٹر تلاش کر کے بڑی بڑی رقمیں خرچ کر رہے ہیں۔ مگر اُس بنیادی تعلیم سے غافل ہیں، جو ان کی اور ان کی اولاد کے لئے جنت میں ابدی راحتوں کی بنیاد و اساس ہے اور قیامت میں ان سے پہلے اسی کے بارے میں پوچھا بھی جائے گا۔ اسی خطرہ سے ڈرانے کے لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا قُوا أَنْفُسَكُمْ وَأَهْلِيكُمْ نَارًا وَّقُودُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ۔ (پارہ:۲۸۔التحریم:۶)

ترجمہ: اے ایمان والو! تم خود کو اور اپنی اولاد کو دوزخ کی اس آگ سے بچاؤ، جس کا ایندھن انسان اور پتھر ہیں۔

اور اس جوابدہی کیلئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں پہلے ہی آگاہ فرما دیا:

كُلُّكُمْ رَاعٍ وَكُلُّكُمْ مَسْؤُلٌ عَنْ رَعِيَّتِهٖ

تم سب (سرپرست اپنی اولاد اور اپنے ماتحتوں کی تعلیم وتربیت کے) ذمہ دار ہو اور (قیامت میں) تمہیں اس کا جواب بھی دینا ہے۔

چھوٹوں کی نگرانی

اس لئے ہر ماں باپ کی ذمہ دار ہے کہ وہ دین اور عقیدہ کے معاملہ میں اپنی اولاد پر بہت زیادہ دھیان دیں اور اس کا بہت زیادہ اہتمام کریں۔ نہ ان کو ان کی عقل وعلم کے سہارے نہ چھوڑیں اور نہ صرف حاکمانہ آرڈر کریں، کہ یہ کرو اور

یہ نہ کرو۔ یہ زمانہ سائنس وٹکنالوجی کا ہے، ہر بچہ سائنس وٹکنالوجی پڑھ رہا ہے، وہ ہر بات کو معقولی اور سائنٹفک طریقے سے سمجھنا چاہتا ہے۔ لہذا توحید ورسالت کی عظمتیں اور قدریں کیا ہیں؟ ان کو عبادت کی ضرورت کتنی ہے؟ یہ بات بچوں کو دلیل کی روشنی میں سمجھایئے۔ تاکہ ان کے دل ودماغ میں یہ بات آسانی سے اتر جائے۔ جیسا کہ حضرت لقمان نے پہلے اپنے بیٹے کو ایک حکم دیا: (لَا تُشْرِكْ بِاللهِ) پھر اس پر (اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ) سے سائنٹفک انداز میں ایک روشن دلیل پیش کی۔

عقیدہ کے بعد اعمال

جن چیزوں کی تعلیم وتربیت کو مقدم رکھنا ضروری ہے، ماں باپ اور مربیوں کو پہلے ان کی طرف توجہ دینا چاہئے۔ اولاد وطلبا کی وصیت ونصیحت میں دنیا کی بہتری کے ساتھ ان کی آخرت کی طرف توجہ زیادہ ہونا چاہئے۔ الاهم فالاهم ہمیشہ پیش نظر رکھیں۔ عقائد، عبادات، معاملات اور اخلاقیات میں کس چیز کی تعلیم وتربیت کی طرف پہلے توجہ دینا چاہئے، اتنی لیاقت اور شعور ماں باپ اور مربیوں میں ہونا چاہئے۔ وہ اعمال اور عبادات کے مراتب و درجات پہلے خود سمجھیں۔ جس کا درجہ ومرتبہ اہم اور مقدم ہے، اس کی تعلیم وتربیت اور اس کی نصیحت ووصیت مقدم کریں۔ جیسا کہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام اور حکیم لقمان نے ایمان وعقیدہ کی درستگی کی وصیت پہلے کی۔ جیسا کہ گزرا۔ لہٰذا سب سے پہلے ایمان وعقیدے کی طرف توجہ دیں۔ ایمان کے بعد درجہ عبادت کا ہے۔ پھر اچھے معاملات اور حسن اخلاق کا۔

مزاج جداگانہ ہیں

اور تعلیم وتربیت میں اولاد وطلبا کے مزاج اور عادات واطوار میں اختلاف کا بھی خیال رکھا جائے۔ کیونکہ جس طرح انسان شکل وصورت میں ایک دوسرے سے مختلف ہوتے ہیں، اسی طرح مزاج اور عادات واطوار میں بھی ایک دوسرے سے مختلف ہوتے ہیں۔ جیسا کہ عربی کا مقولہ ہے:

اَلطَّبَائِعُ مُخْتَلِفَةٌ۔ (انسانی طبائع وعادات مختلف ہوتی ہیں۔)

اس لئے اپنے ایک بچے یا ایک طالب علم کو نصیحت کے لئے ایک مقام اور ایک وقت ہوگا، تو دوسرے کے لئے دوسرے وقت اور دوسری جگہ کا انتظار کرے۔ جب وصیت ونصیحت جداگانہ ہے تو وقت اور جگہ بھی جدا ہو۔ تو ایک دوسرے کے لئے زیادہ مؤثر ثابت ہوگی۔

کلمے رٹا دینا کافی نہیں

ہم پر لازم ہے کہ: اپنی اولاد وغیرہ کی تربیت میں جزئیات سے ہٹ کر کلیاتی امور یعنی عمومی طور پر جو ضروری باتیں ہیں، ان سے ان کی تعلیم وتربیت کا آغاز کریں۔ اور عقائد وعبادات میں انہیں صرف رسم ورواج پر نہ چھوڑیں، کہ ہم اور ہماری اولاد مسلمان کے گھر پیدا ہوئی ہے تو ہم مسلمان ہیں۔ بلکہ عقائد کی پختگی اور تعلیم کے بارے میں خود دھیان دیں اور دل وجان سے لگ کر عقائد ان کے قلب وروح میں بٹھانے کی کوشش کریں۔ کیونکہ جب بات دل سے نکلتی ہے تو دل میں گھر کرتی ہے۔ رسم وراوج کے طور پر کلمے اور دعائیں رٹا دینا ایمان کی

پختگی کے لئے کافی نہیں ہے۔ جیسا کہ آج ہمارے سماج میں کلمے اور کچھ دعائیں رٹا دینا ہی مسلمان ہونے کے لئے کافی سمجھا جاتا ہے۔

یہ عبادت گہِ الفت میں قدم رکھنا ہے
لوگ آسان سمجھتے ہیں مسلمان ہونا

تربیت کا صوفیانہ طریقہ

توحید و رسالت کی عظمتوں اور قدروں کو دلوں میں عاشقانہ اور جذباتی طور پر پیدا کرنے کی کوشش کریں۔ اعمال و عبادات کی، فرائض و شرائط اور سنتوں کے ساتھ ادائیگی میں وقت کی پابندی کے ساتھ ساتھ ان عبادات کے آداب کا بھی عادی بنائیں۔ مثلاً اگر نماز کی تعلیم دینا ہے، تو رسمی طور پر رکوع و سجود اور اٹھنے بیٹھنے کی ہی تعلیم نہ دے، بلکہ نماز جیسی اہم، اول اور افضل عبادت کی صحت کے لئے شریعت میں جو احکام بتائے گئے اور اس اہم عبادت کی قبولیت کے لئے صوفیائے کرام نے جو آداب تعلیم فرمائے ہیں، دونوں کی روشنی میں عبادت کا عادی بنائیں۔

خدا کی وصیت

یہاں بات چل رہی تھی اس وصیت کی جو حضرت لقمان نے اپنے بیٹے کو کی تھی، یعنی شرک نہ کرنے کی۔ جس کا ذکر مولیٰ کریم نے سورۂ لقمان میں فرمایا۔ اب چلتے چلتے اسی بحث میں اپنے خالق و مالک اپنے کریم مولیٰ کی وہ وصیت بھی پڑھ لو، جس میں اس نے قیامت تک آنے والوں بندوں کو چند کاموں کی وصیت کی اور ان پر عمل کرنے کا تاکیدی حکم فرمایا۔ جن میں بعض کرنے کے ہیں اور

بعض نہ کرنے کے۔ بعض کا تعلق عقیدے سے ہے اور بعض کا تعلق عبادت و معاملہ سے۔ جن کا ذکر سورۂ انعام کی ان آیتوں میں ہے:

قُلْ تَعَالَوْا اَتْلُ مَا حَرَّمَ رَبُّكُمْ عَلَيْكُمْ اَلَّا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْـًٔا وَّ بِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا وَّ لَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ مِّنْ اِمْلَاقٍ نَحْنُ نَرْزُقُكُمْ وَاِيَّاهُمْ وَلَا تَقْرَبُوا الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ وَ لَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ ذٰلِكُمْ وَصّٰىكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ [۱۵۱] وَ لَا تَقْرَبُوْا مَالَ الْيَتِيْمِ اِلَّا بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ حَتّٰى يَبْلُغَ اَشُدَّهٗ وَ اَوْفُوا الْكَيْلَ وَ الْمِيْزَانَ بِالْقِسْطِ لَا نُكَلِّفُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا وَاِذَا قُلْتُمْ فَاعْدِلُوْا وَلَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰى وَ بِعَهْدِ اللّٰهِ اَوْفُوْا ذٰلِكُمْ وَصّٰىكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ [۱۵۲] وَ اَنَّ هٰذَا صِرَاطِيْ مُسْتَقِيْمًا فَاتَّبِعُوْهُ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيْلِهٖ ذٰلِكُمْ وَصّٰىكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ (۱۵۳)

(پارہ:۸۔الانعام:۱۵۳۔۱۵۲۔۱۵۱)

ترجمہ: (اے حبیب) تم فرماؤ! آؤ! میں تمہیں پڑھ کر سناؤں (وہ احکام و اعمال) جو تم پر تمہارے رب نے حرام کیا، (وہ) یہ کہ اس کا کسی کو شریک نہ کرو، ماں باپ کے ساتھ بھلائی کرو، اپنی اولاد کو مفلسی و تنگ دستی کی وجہ سے قتل نہ کرو، ہم رزق دینگے تم کو بھی اور ان کو بھی، بے حیائیوں اور فحش باتوں کے قریب نہ جاؤ جو ان میں ظاہر ہیں اور جو ڈھکی چھپی ہیں اور جس جان کی اللہ تعالیٰ نے حرمت رکھی ہے اسے ناحق نہ مارو۔ یہ تمہیں حکم فرمایا ہے کہ تمہیں عقل ہو۔ اور یتیموں کے مال کے پاس نہ جاؤ مگر بہت اچھے طریقہ سے جب تک وہ اپنی جوانی

کو پہنچے اور ناپ تول انصاف کے ساتھ کرو، ہم کسی جان پر بوجھ نہیں ڈالتے مگر اس کے مقدور بھر، اور جب بات کہو تو انصاف کی کہو اگر چہ تمہارے رشتہ دار کا معاملہ ہو اور اللہ ہی کا عہد پورا کرو۔ یہ تمہیں تاکید فرمائی کہ کہیں تم نصیحت مانو۔ اور یہ کہ یہ ہے میرا سیدھا راستہ تو اس پر چلو اور (دوسری) راہیں نہ چلو کہ تمہیں اس کی سیدھی راہ سے جدا کر دیں گی۔ یہ تمہیں حکم فرمایا کہ کہیں تمہیں پرہیز گاری ملے۔

یہ احکام عام ہیں

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے خطاب اپنے حبیب ﷺ سے فرمایا ہے۔ ہر شخص جانتا ہے کہ کچھ احکام ایک آدمی کے لئے ہوتے ہیں، کچھ ایک جماعت کے لئے، کچھ ایک بستی کے لئے، کچھ ایک ملک کے لئے اور کچھ احکام ایسے ہوتے ہیں، جو ساری دنیا کے کے لئے ہوتے ہیں۔ ایک آدمی سے متعلق احکام راز داری سے بتائے جاتے ہیں، جماعت وبستی سے متعلق احکام لاؤڈ سپیکر سے اور ملک یا پوری دنیا سے تعلق رکھنے والے احکام ریڈیو یا ٹیلیویزن سے نافذ کئے جاتے ہیں۔ یہ دس احکام جو ان آیتوں میں بیان کئے گئے ہیں، یہ ساری دنیا کے انسانوں کے لئے ہیں۔ اسی لئے یہ اس ذات کی زبانِ نبوت سے نافذ کرائے گئے، جو ساری مخلوق کے لئے نبی بن کر آئے۔ (روح البیان)

میرے دینی بھائیو! ان آیتوں میں امت کیلئے ایسے احکام بیان کئے جا رہے ہیں، جو دین و دنیا کی تمام بھلائیوں کے جامع ہیں۔ یہ ایسے احکام ہیں جو سیدنا آدم علیہ السلام سے لیکر ہمارے نبی ﷺ تک تمام دینوں میں جاری رہے۔ کسی بھی دین میں ان کے خلاف حکم نہ تھا۔ جو ان پر عمل کرے گا جنت میں

داخل ہوگا اور جو ان کو ترک کرے گا دوزخ میں جائے گا۔ مولیٰ کریم ہمیں عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین!

پہلی آیت (۱۵۱) میں اللہ تعالیٰ نے ان باتوں کی وصیت کی، جن کا تعلق انسان کی اپنی ذات اور اپنے گھر والوں سے ہے۔ اور دوسری آیت (۱۵۲) میں ان باتوں کا حکم ہے، جن کا تعلق خاندان، قبیلہ، شہر، بستی والوں یا معاشرے سے ہوتا ہے۔ گویا دوسری آیت میں اصلاحِ معاشرہ کی وصیت کی گئی ہے۔ اب ہم وہ احکام تفصیل سے بیان کرتے ہیں۔

(۱) شرک نہ کرو

پہلا جو حکم اللہ تعالیٰ نے دیا، وہ ہے:

لَا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْـًٔا۔ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ۔

اللہ تعالیٰ نے یہاں شرک کو سب سے پہلے بیان فرمایا، کیونکہ کفر و شرک تمام گناہوں میں سب سے بڑا گناہ، تمام محرمات کی جڑ اور اَکْبَرِ کَبَائِر (تمام کبیرہ گناہوں میں سب سے بڑا گناہ) ہے۔ اس کے ہوتے ہوئے اللہ تعالیٰ کسی کی کوئی عبادت قبول نہیں فرماتا۔ اللہ تعالیٰ کسی کا بھی کیسا بھی گناہ ہو معاف فرما دے گا، لیکن شرک ایسا گناہ ہے، جس کی بخشش نہیں ہوسکتی۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ سورۂ نسا کی آیت (۴۸) میں فرماتا ہے:

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ۔

ترجمہ: بیشک اللہ اسے نہیں بخشتا کہ اس کے ساتھ کفر کیا جائے۔ اور کفر سے نیچے (کفر کے علاوہ) جو کچھ ہے جسے چاہے معاف فرما دیتا ہے۔ (پارہ:۵)

شرک کی قسمیں

شرک کی دو قسمیں ہیں: (۱) شرک جلی (۲) شرک خفی

شرک جلی: اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی کی عبادت کرنا یا کسی چیز کو اللہ تعالیٰ کے برابر کرنا یا سمجھنا یا اللہ تعالیٰ کو کسی کے برابر سمجھنا۔ جیسا کہ مشرک ستاروں، بتوں، فرشتوں اور جنوں کو خدا کے برابر سمجھتے تھے۔ یا یہود و نصاریٰ حرام و حلال میں اپنے بعض پوپ اور پادریوں کی خدا کے مقابلہ اطاعت کرتے تھے۔ تمام قسم کے شرک سے یہاں منع کیا گیا ہے۔

فائدہ: شرک نہ کرنا حرام نہیں بلکہ شرک کرنا حرام ہے، شرک سے بچنا تو فرض و واجب ہے۔ اسی لئے ان کو یہاں پر نہی کے صیغہ سے بیان فرمایا۔

شرک خفی: صوفیائے کرام فرماتے ہیں: بت پرستی اگر شرکِ جلی ہے، تو ریاکاری (دکھاوا) اور کریم کے ساتھ اغیار کو شریک کرنا شرکِ خفی ہے۔

مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت و بندگی اپنے کسی قرض، لالچ یا کسی اور مقصد یعنی شہرت، دکھاوا، طلبِ عزت یا جلبِ دولت کے بغیر کرو۔

بلکہ بعض حضرات فرماتے ہیں: بندگی جنت میں جانے یا دوزخ سے بچنے کے لالچ سے بھی نہ کرو، صرف اور صرف اپنے مولیٰ کی رضا کے لئے کرو۔

(۲) ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک کرو

شرک کی حرمت بیان فرمانے کے بعد اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک اور ان کی فرمانبرداری کو بیان فرمایا۔ کیونکہ انسان کے

وجود کا سببِ حقیقی اگر اللہ تعالیٰ ہے، تو اس کے وجود کا سببِ مجازی اور سببِ قریب والدین ہیں۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے حرمت شرک کے بعد حرمتِ عقوق یعنی والدین کی نافرمانی کی حرمت کو بیان فرمایا، کہ یہ شرک کے بعد اکبر کبائر ہے۔

اس لئے اپنے ماں باپ کے ساتھ اچھا برتاؤ کرو، ان کا ادب و احترام کرو، ان کی جسمانی اور مالی ہر طرح کی خدمت کرو اور جہاں تک ہو سکے ان کی خدمت اپنے ہاتھ سے کرو، اپنی اولاد یا نوکروں سے نہ کراؤ (مجبوری دوسری چیز ہے) اگر ان کو تمہاری جسمانی یا مالی خدمت کی ضرورت نہ بھی ہو تب بھی اپنی سعادت مندی سمجھ کر ان کی امیری میں بھی ان کی مالی خدمت کرو، تندرستی میں ان کے ہاتھ پیر دباؤ، ان کے جوتے سیدھے کرو، اگر وہ فاسق یا غیر مؤمن ہوں تب بھی ان کے دنیوی حقوق ادا کرو، ان کے عزیز و اقارب اور دوستوں کے ساتھ بھلائی کرو، ان کے بعد ان کے جائز طور طریقے اور رسمیں جاری رکھو، انہیں دعائے خیر اور صدقات و خیرات میں یاد رکھو۔

(۳) مفلسی کے ڈر سے اپنی اولاد کو قتل نہ کرو

عرب کے غریب لوگ اپنی کل اولاد (بیٹا ہو یا بیٹی) کو قتل کر دیتے تھے۔ اس خیال سے کہ ہم خود محتاج ہیں، انہیں کہاں سے کھلائیں گے؟ عرب کے رئیس و امیر لوگ اپنی بیٹیوں کو اس وجہ سے قتل کر دیتے تھے، کہ ہمارا کوئی داماد نہ بنے۔ بعض غریب لوگ بیٹوں کو قتل کر دیتے تھے اور بیٹیوں کو زندہ رکھتے تھے، تا کہ جوان ہونے پر ان سے پیسہ کمائیں۔ وہ نادان غریبی و مفلسی کے خوف سے حرام کام کرتے تھے۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ان نادانوں کو روکا کہ اپنے بچوں کو

قتل نہ کرو۔ ارے نادانو! تمہارے اور ان کے رزق کے ذمہ دار تو ہم ہیں۔ اس سے پہلے بھی ہم تمہیں اور تمہارے ماں باپ کو روزی پہنچاتے تھے۔ تم آزما چکے ہو تو آئندہ بھی تمہیں اور تمہاری اولاد کو ہم ہی روزی دیں گے۔

انسانی زندگی کے تین دور

دنیا میں آنے کے بعد انسان پر تین دور گزرتے ہیں:

(۱) جب وہ ماں کے پیٹ میں ہوتا ہے۔ تو وہاں کسی بھی انسان کا ہاتھ نہیں پہنچتا، وہاں اللہ تعالیٰ ہی اسے اپنی قدرت سے پالتا ہے۔

(۲) دودھ پینے کا زمانہ۔ اس وقت بھی انسان کھانے کمانے پر قادر نہیں ہوتا ہے، تب بھی ماں باپ کے ذریعہ اللہ تعالیٰ ہی اس کو پالتا ہے۔

(۳) جب وہ جسمانی قوت اور علم وعقل کا مالک اور کمانے کے قابل ہو جاتا ہے۔ مگر اس تیسرے وقت میں بھی رزاق روزی دینے والا اللہ تعالیٰ ہی ہے۔

رزق کا معنی ومفہوم

رزق کھانے کپڑے مکان ہی کا نام نہیں ہے، بلکہ رزق وروزی کا مفہوم بہت وسیع ہے۔ ہوا بھی روزی ہے، دھوپ بھی روزی ہے، پانی بھی روزی ہے۔ ان کو انسان کہاں سے اور کیسے کماتا ہے؟ انسان جن چیزوں کی وجہ سے زندہ ہے۔ ان میں بعض ایسی ہیں کہ انسان کو نہ ان کے پاس جانا پڑے نہ انہیں کمانا پڑے، بلکہ وہ قدرت سے خود بخود اس کے پاس آتی ہیں۔ جیسے: دھوپ، ہوا وغیرہ۔ بعض چیزوں کے لئے اس کو جانا پڑتا ہے، لیکن کمانا نہیں پڑتا ہے۔ جیسے:

پانی وغیرہ۔ اور بعض چیزیں ایسی ہیں جن کے پاس انسان کو جانا بھی پڑتا ہے اور انہیں کمانا بھی پڑتا ہے۔ جیسے: کھانے کی چیزیں۔

مگر ان تینوں قسموں کے حصول میں دست قدرت کی فیاضی اور اس کی رحمت کام کر رہی ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ سورۂ ہود (٦) میں ارشاد فرماتا ہے:

وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْأَرْضِ إِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا. (پ:۱۲)

ترجمہ: روئے زمین پر ایسا کوئی چوپایہ اور جاندار نہیں، جس کا رزق مولیٰ کریم اللہ تعالیٰ کے ذمۂ کرم پر نہ ہو۔

ما آبروئے فقر قناعت نمی بریم
با پادشاہ بگوئی کہ روزی مقدر ست

ہم اپنے فقر وقناعت کی آبرو کو ضائع نہیں کریں گے۔ زمانے کے امیروں سے کہہ دو کہ ہماری روزی مقدر ہے۔ (روح البیان، تفسیر نعیمی)

مولیٰ ہمیں بھی توکل کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

(۴) فواحش کے قریب نہ جاؤ

یعنی زنا اور زنا پر ابھارنے والے کاموں سے بچو۔ تیسرے حکم میں جس چیز (یعنی قتل اولاد) سے روکا گیا، اس میں نسل انسانی کا قطع تھا۔ اور اس چوتھے حکم میں جس چیز سے روکا جا رہا ہے (یعنی زنا) یہ نطفے۔ جو نسلِ انسانی کے اضافہ کا سبب ہے۔ کو ضائع وبرباد کرنے کے ساتھ اور بہت سی بے حیائیوں کا جامع ہے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے قتلِ اولاد کے بعد اس کی حرمت کو بیان فرمایا۔

زنا کے اسباب ودواعی

یہاں فواحش کو جمع کے صیغہ کے ساتھ بیان فرما کر زنا اور اس کے اسباب سے بچانا منظور ہے۔ اسی لئے (وَ لَا تَقْرَبُوْا) بھی فرمایا گیا۔ یعنی: زنا بہت دور کی بات ہے، جو اس کے اسباب ودَواعی ہیں، ان کے بھی قریب نہ جاؤ۔ زنا خواہ اعلانیہ ہو [جیسے: زمانۂ جاہلیت میں ذلیل وکمین لوگوں نے زنا کے اڈے بنا رکھے تھے] یا خفیہ اور پوشیدہ [جیسا کہ اُس زمانے کے شریف کہلانے والے، جس کا ارتکاب کرتے تھے] دونوں سے بچو۔ حالانکہ آج کا زمانہ جو تہذیب وتمدن کا زمانہ کہلاتا ہے، سنا ہے: اس میں بھی ظالموں نے زنا کے اڈے بنا رکھے ہیں۔ مولیٰ تعالیٰ ہمیں اپنی نافرمانی سے بچائے۔ آمین

غرضیکہ مولیٰ کریم کا ہمارے لئے حکم ہے کہ ہم زنا کے ساتھ ساتھ زنا کے اسباب، جیسے: ناچ گانا، ڈانس (جیسا کہ آج شادی بیاہ میں ہو رہا ہے) اجنبی عورتوں کے ساتھ خلوت وتنہائی اور بے پردگی (جیسا کہ آفسوں، دفتروں، اسکولوں اور کالجوں میں دیکھا جا رہا ہے) لذت کے ساتھ اجنبی (غیر محرم) عورتوں کی تصاویر (فوٹو) دیکھنا، ان کے ویڈیو یا آڈیو گانے یا غزلیں سننا، بلا ضرورت اجنبی عورتوں کی آواز سننا، رومانٹک (عشقیہ) فلمیں دیکھنا (جیسا کہ یہ سب ملٹی میڈیا یا موبائل کے ذریعہ عمومًا ہو رہا ہے۔ خصوصًا ہماری نوجوان نسل بری طرح سے اِن حرام کاریوں میں مبتلا ہے۔) عشقیہ اور فحش ناولیں پڑھنا۔ یہ سب زنا کے اسباب ودواعی ہیں اور حرام ہیں۔ ان سے بچنا فرض وضروری ہے۔

خطرناک شہوت

شہوت صرف صورت دیکھنے ہی سے نہیں پیدا ہوتی ہے، بلکہ اجنبی عورت کی آواز سے بھی نفس میں ہیجانی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے۔ اسی لئے علما فرماتے ہیں: تمام شہوتوں میں سب سے خطرناک عورت کی شہوت ہے۔

سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: شیطان مرد کے تین اعضا میں شہوت پیدا کرتا ہے۔ (۱) آنکھ (۲) دل (۳) شرمگاہ

اسی طرح عورت کے بھی تین اعضا میں شہوت پیدا کرتا ہے۔ (۱) آنکھ (۲) دل (۳) سرین (کولہے)۔ اسی لئے شریعت نے اس کے لئے پردہ کا حکم دیا ہے۔ (صید الخاطر، روح البیان، تفسیر نعیمی)

(۵) کسی انسان کو ناحق قتل نہ کرو

جیسے مؤمن، ذِمِّی (وہ غیر مسلم جو اسلامی سلطنت میں جزیہ دے کر رہتا ہو۔) مُسْتَامِن (وہ غیر مسلم جو امان (ویزا وغیرہ) لے کر دار الاسلام میں آیا ہو۔)۔ یہ سب جانیں محترم ہیں۔ اور ان کو بلا وجہِ شرعی قتل کرنا حرام ہے۔ اللہ پاک ارشاد فرماتا ہے:

مَنۡ قَتَلَ نَفۡسًا بِغَيۡرِ نَفۡسٍ اَوۡ فَسَادٍ فِى الۡاَرۡضِ فَكَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيۡعًا (پارہ:۶۔المائدۃ:۳۲)

ترجمہ: جس نے کوئی جان بغیر جان کے بدلہ یا زمین میں فساد کے لئے قتل کی، تو گویا اس نے سب لوگوں کو قتل کیا۔

یعنی اس نے خونِ ناحق کیا کہ نہ تو اس نے مقتول (جس کو قتل کیا) کو کسی خون کے بدلہ میں قصاص کے طور پر مارا، نہ شرک و کفر یا قطعِ طریق وغیرہ کسی مُوجِبِ قتل فساد کی وجہ سے مارا (تو گویا اس نے پوری انسانیت کو قتل کیا) کیونکہ اس نے حق اللہ کی رعایت اور حدودِ شرع کا پاس نہ کیا۔ (خزائن العرفان)

ہاں اگر کوئی شرعی وجہ ہو، جیسے: مرتد، بادشاہ اسلام کا باغی، شادی شدہ زانی، قاتل اور ڈاکو وغیرہ ان کا قتل سلطان اسلام کی طرف سے جائز بلکہ ضروری ہے۔

یہ پانچ حکم بیان فرمانے کے بعد اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: (ذٰلِكُمْ وَصّٰكُمْ) یہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے تمہارے لئے وصیت اور تاکیدی حکم ہے۔ تاکہ تم اپنے خالق و مالک کے حکم کی اطاعت کرو اور اس کے احکام کو سمجھنے میں اپنی عقلوں کو استعمال بھی کرو۔

عارفانہ وصیت

ہم یہاں پر قتلِ حق کی نسبت سے مقتول فی سبیل اللہ۔ جو اللہ تعالیٰ کی محبت یا اس کے راستے میں مرتے ہیں، وہ ہمیشہ زندہ ہیں مرتے نہیں۔ کے مقام کو بھی بتانا چاہتے ہیں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ سورۂ بقرہ (۱۵۴) میں فرماتا ہے: وَ لَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ يُّقْتَلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ بَلْ اَحْيَآءٌ (پ:۲)

ترجمہ: جو خدا کی راہ میں مارے جائیں انہیں مردہ نہ کہو بلکہ وہ زندہ ہیں۔

شہید محبت الٰہی

حکایت: حضرت ابو سعید فراث رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں مکہ میں مقیم

تھا، ایک دن میں بابِ بَنی شَیْبَہ سے گزرا، تو میں نے ایک حسین خوبصورت نوجوان کو قتیلِ محبت (محبت کی تلوار سے شہید) مرا ہوا دیکھا۔ جب میں نے اس کے چہرہ پر نظر ڈالی، تو وہ میری طرف دیکھ کر مسکرانے لگا اور بولا: اے ابو سعید! تعجب کر رہے ہو! کیا تم جانتے نہیں کہ اللہ تعالیٰ کے دوست مرنے کے بعد زندہ رہتے ہیں۔ ان کی موت تو بس اتنی ہے کہ وہ ایک گھر سے دوسرے گھر کی طرف منتقل ہو جاتے ہیں۔

مشو بمرگِ زِ امدادِ اہلِ دل نومید کہ خواب مردمِ آگاہ عینِ بیدارست

یعنی دل والوں اور اللہ والوں کی وقتِ موت کے سبب ان کی امداد و اعانت سے مایوس و نا امید نہ ہو۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کی معرفت و محبت اور مراقبہ میں رہنے والے کی نیند بھی بیداری ہے۔ (روح البیان و تفسیر نعیمی)

اللہ تعالیٰ ہم سب کو دل والا اور دل والوں سے محبت کرنے والا بنائے۔

عقل و دلیل والے مرجاتے ہیں۔ لیکن عشق و محبت اور دل والے نہیں مرا کرتے۔ اسی لئے ہم غلامانِ مصطفیٰ (یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اُنْظُرْ حَالَنَا، اَغِثْنَا یَا رسول اللہ اور یَا غَوْثُ المدد) کے ذریعہ اِستِغَاثہ اور اِستِعَانت کرتے ہیں۔ کیونکہ:ـــ

تو زندہ ہے واللہ تو زندہ ہے واللہ
مری چشمِ عالم سے چھپ جانے والے

عاشقانہ نکتہ: جب نبی کے دیوانے (یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اُنْظُرْ حَالَنَا، اَغِثْنَا یَا رَسُوْلَ اللّٰه) کہتے ہیں، تو بعض لوگ اعتراض کرتے ہیں: نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تو مدینے میں ہیں، ہند میں کیسے مدد کریں گے؟ ہمارا سلام وہاں کیسے

سنیں گے؟ تو صوفیائے کرام ان کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں: ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دو حالتیں یا دو شانیں ہیں:

(۱) شانِ نور (۲) شانِ بشریت

ان دونوں شانوں کی طاقت وجلوہ گری علیحدہ علیحدہ ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب مدینہ سے حج کرنے مکہ جائیں تو یہ تین سو میل کا فاصلہ اونٹوں کے ذریعہ گیارہ دن میں طے ہو، یہ آپ کی حالتِ بشریت ہے۔ مگر جب معراج کو تشریف لے جائیں، تو حرَمِ کعبہ سے بیت المقدس پھر وہاں سے ساتوں آسمان اور کرسی وعرش کے آگے کروڑوں اربوں میل کا فاصلہ آنِ واحد (ایک لمحہ) میں طے فرمالیں، یہ آپ کی شانِ نورانیت ہے۔

دو وقت کھانا تناول نہ فرمائیں، تو چہرہ پر کمزوری کے آثار ظاہر ہو جائیں، مگر صومِ وصال میں عرصہ تک کچھ نہ کھائیں، تو بالکل کمزوری محسوس نہ ہو۔ وہ بشریت کی حالت ہے اور یہ نورانیت کی شان ہے۔ عبرانی زبان کا ترجمہ زید بن ثابت سے کرائیں مگر لکڑیوں، کنکروں، پتھروں اور جانوروں کی بولی بغیر ترجمان کے سمجھ لیں۔ وہ بشریت کی حالت ہے اور یہ نورانیت کی شان ہے۔ بازار سے کوئی چیز منگوائیں تو کسی کو بھیج کر منگوائیں، لیکن جب مصلے پر کھڑے ہوں تو ہاتھ بڑھا کر جنت کی چیزیں حاصل کرلیں۔ اول بشریت کی حالت ہے دوم نورانیت کی شان ہے۔ (تفسیر نعیمی)

ہم غلاموں کے گھروں میں پیارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم محافلِ میلاد میں شانِ نورانیت سے جلوہ فرماتے ہیں۔ ایسے ہی ہماری اعانت ومدد شانِ نورانیت سے فرماتے ہیں۔ جب آپ کے مقامِ عبدیت اور مقامِ رسالت ومقامِ محبوبیت میں

فرق کر کے دیکھو گے، تو ہر چیز سمجھ میں آجائے گی۔ کوئی خلجان باقی نہ رہے گا۔

(٦) یتیموں کے مال کے قریب نہ جاؤ

اس میں یتیموں کے وارثوں اور ان کی پرورش کرنے والوں بلکہ سارے انسانوں سے خطاب ہے۔ کیونکہ یتیم کا مال مارنا سبھی کے لئے حرام ہے۔ اور قریب نہ جانے سے مراد یہ ہے کہ یتیم کے مال کو برباد کرنے اور بربادی کے اسباب، سب سے بچا جائے۔

یتیم کا مال وہ ہے، جو اسے میراث میں ملا ہو یا اسے کسی نے دیا ہو یا اس نے خود کمایا ہو۔ انسانوں میں یتیم وہ نابالغ بچہ ہے، جس کا والد فوت ہو گیا ہو۔ جیسا کہ جانوروں میں وہ چھوٹا شیر خوار بچہ یتیم ہوتا ہے، جس کی ماں مر گئی ہو۔

خلاصۂ کلام

اللہ تعالیٰ کے اس حکم کا خلاصہ یہ ہے: اے لوگو! تم یتیم بچوں کے مال کے قریب نہ جاؤ، اسے ہاتھ بھی نہ لگاؤ یعنی اسے استعمال نہ کرو۔ ہاں وہ استعمال جو اس یتیم کے لئے مفید ہو تو کر سکتے ہو۔ مثلاً: تجارت میں لگانا، اس کی زمین کاشت پر لگانا، دوکان کرایہ پر اٹھانا وغیرہ۔ یتیم کا ولی یا سرپرست یتیم کے مال میں ایسا کوئی تصرف نہیں کرسکتا جس میں یتیم کا نقصان ہو۔ یہاں تک کہ یتیم کے نکاح شادی وغیرہ بھی دھوم دھام اور فضول خرچی سے نہیں کرسکتا۔ اِس مال سے اس کا ولیمہ نہیں کرسکتا۔ یتیم بچی ہے تو شان وشوکت کے لئے غیر مفید چیز نہیں دے سکتا ہے۔ یتیم کے ماں باپ کا تیجہ، دسواں، بیسواں، چالیسواں وغیرہ یتیم کے مال

سے نہیں کر سکتا۔ اگر ایسا کیا، تو یہ کھانا سب کے لئے حرام ہوگا۔ کھانے والے اپنے پیٹ میں خدا کے حکم کے مطابق دوزخ کی آگ بھریں گے۔ یتیم کے مال میں نہ زکوٰۃ فرض ہے نہ قربانی۔ یتیم بچہ اپنے مال سے نہ کسی کو نفلی صدقہ وخیرات کر سکتا ہے نہ کسی کو ہبہ۔ اگر کرے گا تو اسے قبول کرنا حرام ہے۔

اگر کوئی سور، کتا، بلی وغیرہ کھالے تو یہ حرام ہے، مگر ایسا حرام کہ اس سے توبہ کر لے، تو توبہ سے معاف ہوجاتا ہے۔ اسی طرح کسی عام انسان کا حق مارنا بھی حرام ہے، مگر ایسا حرام جو صرف توبہ سے معاف نہیں ہوتا۔ ہاں اگر حق والا معاف کردے تو یہ بھی معاف ہوجاتا ہے۔ مگر یتیم کا مال کھانا ایسا حرام ہے کہ نہ یہ توبہ سے معاف ہو، کیونکہ یہ حق العبد ہے۔ اور نہ یتیم کے معاف کرنے سے معاف ہو، اس لئے کہ یہ بچہ ہے، اور بچہ کی معافی معتبر نہیں۔

اب اندازہ لگائیے کہ یتیم کے مال کا حکم کتنا سخت ہے؟ اس کو ہر شخص غور سے پڑھے اور اپنے آپ کو دوزخ کی آگ سے بچائے۔ خاص طور سے وہ لوگ جو نیاز و فاتحہ میں یتیم کے مال کو اڑا دیتے ہیں۔

(۷) ناپ تول میں انصاف کرو

اس میں دو حکم دیئے گئے ہیں: (۱) انصاف سے ناپو (۲) انصاف سے تولو ان دونوں حکموں کا تعلق بھی عام لوگوں سے ہے۔ ان دونوں میں خیانت کرنا بھی ایسے گناہ ہیں، جو توبہ سے معاف نہیں ہوتے ہیں، کہ اس میں بندوں کا حق ہے۔ اور اس میں معاف کرانا ممکن نہیں، کیونکہ نہ جانے اس نے کس کس کو ناپ تول میں کم کر کے دیا ہے۔ اب وہ معاف کرائے، تو کیسے؟ اور کس سے؟ اس کا گناہ بھی یتیم کے

مال کے گناہ کی طرح ہے۔

اس آیت کو وہ لوگ بہت غور سے پڑھیں، جو دودھ، گھی، آٹا، بیسن، تیل، مصالحوں وغیرہ میں ملاوٹ کرتے ہیں۔ اب تو سنا ہے کہ دوائیاں بھی نقلی دی جارہی ہیں۔ یاد رکھو جس طرح ناپ تول میں کمی کرنا جرم اور حرام ہے، ایسے ہی مال میں ملاوٹ کرنا بھی جرم وحرام ہے۔ کیونکہ ایسا کرنے میں بھی حقدار کو حق سے کم پہنچتا ہے۔ جو جتنی ملاوٹ کررہا ہے، وہ اتنا زیادہ گراہک کا حق مار رہا ہے۔ حال یہ ہے کہ اگر ایسا کرنے سے منع کرو تو کہتے ہیں: سبھی ایسا کررہے ہیں۔ تو سنو! دنیا کچھ بھی کرے، لیکن ایک مسلمان کے پیش نظر دنیا سے پہلے آخرت کی زندگی ہوتی ہے۔ مسلمان کو غیر مسلم کے دیکھا دیکھی ایسا کام نہیں کرنا چاہئے۔ مسلمان کے دل ودماغ میں ہر وقت یہ تصور قائم رہنا چاہئے کہ خدا دیکھ رہا ہے۔ اور اسے روزِ قیامت اپنی ہر کرنی کا رتی رتی کا حساب دینا ہے۔ دودھ میں پانی ملاتے وقت یا دیسی گھی میں ولایتی گھی ملاتے وقت گراہک اگرچہ نہیں دیکھ رہا ہے، مگر یہ یاد رکھنا چاہئے کہ خدا دیکھ رہا ہے۔

خدا تو دیکھ رہا ہے

سیدنا عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ ایک رات مدینہ میں گشت کررہے تھے۔ تو ایک گھر سے ماں بیٹی کے مندرجہ ذیل مکالمہ کی آواز آپ کو سنائی دی:

ماں: بیٹی! اٹھ جلدی سے دودھ میں پانی ملادے، صبح نہ ہوجائے۔

بیٹی: خلیفۃ المسلمین نے دودھ میں پانی ملانے سے منع کیا ہے۔

ماں: خلیفہ دیکھ تھوڑی رہے ہیں۔ (جو پانی ملانے سے ڈر رہی ہے۔)

بیٹی: اماں! خلیفہ نہیں دیکھ رہے ہیں تو کیا ہوا، خدا تو دیکھ رہا ہے۔

اس لڑکی کا ضمیر زندہ تھا، دل میں خوفِ خدا تھا۔ اسی لئے وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے سامنے نہ ہونے کے باوجود ان کے حکم پر عمل کر رہی تھی۔ تو اللہ تعالیٰ جو ہر وقت ہمیں دیکھتا ہے۔ کا خوف ہر شخص کے اندر کتنا ہونا چاہئے؟ مولیٰ کریم ہمیں اپنا خوف وخشیت عطا فرمائے اور برے کاموں سے بچائے۔

اسی طرح خراب مال کو اچھا بتا کر بیچنا بھی جرم ہے، کہ اس میں بھی حقدار کا حق مرتا ہے۔ اس آیت کو وہ تاجر، دکاندار، پھل فروش وغیرہ، جو خریدنے والے کو عمدہ چیز دکھا کر ردی اور گھٹیا دیتے ہیں، خاص طور سے بار بار پڑھیں اور عبرت حاصل کریں۔

فائدہ عظیمہ

وہ حضرات بھی یہ آیت بہت غور سے پڑھیں، جو سودا سلف خریدتے وقت دکاندار سے زبردستی نیچا تول کر لیتے ہیں، خاص طور سے گوشت اور ترکاری خریدنے والے، کہ یہ تو اکثر نیچا تولواتے ہیں۔ اس سے بہتر تو یہ ہے کہ بجائے نیچا تولوانے کے پہلے ہی قیمت میں رعایت کرا لیں۔ اگر بیچنے والے کو ناپ تول میں کمی کرنا جرم ہے، تو دکاندار سے نیچا تولوانا بھی حرام ہے۔ ہاں اگر دکاندار خود نیچا تول کر دے، تو اس کو لینا جائز ہے۔ اس لئے کہ زائد اس کی طرف سے ہدیہ ہے جو لیا جا سکتا ہے۔ (تفسیر نعیمی)

ہاں ناپ تول میں کوئی ایسی کمی و زیادتی جو قصداً نہ کی ہو، غیر محسوس طور پر ہو جائے، تو وہ معاف ہے۔ اب اگر بڑی ناپ تول میں احتیاط سے کام لینے کے باوجود تولہ دو تولہ کی کمی بیشی ہو گئی، تو اللہ تعالیٰ معاف کرنے والا ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کسی بھی جان یا ذات پر اس کی طاقت سے زیادہ بوجھ نہیں ڈالتا۔ جیسا کہ

اسی آیت میں آگے وہ خود فرماتا ہے:

لَا نُكَلِّفُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا ۔ (پارہ:۸-الانعام:۱۵۲)

ترجمہ: ہم کسی جان پر بوجھ نہیں ڈالتے مگر اس کی طاقت بھر۔

یعنی اللہ تعالیٰ اپنے کرم سے بندوں کو ان کی طاقت سے زیادہ احکام کا مکلف نہیں کرتا۔ اور یہ اللہ تعالیٰ کا اپنے بندوں پر احسان ہے۔

(۸) ہمیشہ حق کے طرفدار رہو

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو جو چوتھا حکم دیا ہے، وہ ہے: (وَإِذَا قُلْتُمْ فَاعْدِلُوا وَلَوْ كَانَ ذَا قُرْبَىٰ) اس ایک جملہ میں دین کے بیشمار مسائل بیان کر دئے گئے ہیں۔ اگر غور سے دیکھا جائے تو اس ایک جملہ میں احکام شریعت کے دریا بہہ رہے ہیں۔ ہر شعبہ اور ہر سوسائٹی کا آدمی (خواہ وہ وقت کا حاکم و بادشاہ ہو یا گھر کا گارجین و سرپرست، کسی مدرسہ کا مدرس ہو یا کسی اسکول کا ٹیچر، علومِ دینیہ کا عالم ہو یا دار الافتا کا مفتی، خانقاہوں میں بیٹھے ہوئے مرشد و پیر ہوں یا واعظ و خطیب) اس آیت کے حکم کو اپنے سامنے رکھے، پھر غور کرے کہ اس کی زندگی کے قول و فعل اس حکم خدا کے مطابق ہیں یا نہیں؟

خلاصہ یہ کہ واعظ و مقرر جب وعظ و تقریر کریں، تو عدل وانصاف کے ساتھ کریں۔ گڑھی ہوئی جھوٹی روایتیں نہ بیان کریں یا صرف لطیفے اور چٹکلے نہ چھوڑیں۔ یا صرف خود کو مقبول بنانے، عوام کو خوش کرنے یا ان سے بڑی بڑی رقمیں وصول کرنے کے لئے وعظ و تقریر نہ کریں۔ ایسے ہی عالم و مفتی جب فتویٰ دیں، تو کسی کی رعایت نہ کریں۔ اپنا ہو یا پرایا۔ جو حق ہو وہی بتائیں۔ گواہ گواہی دیں تو سچی گواہی

دیں۔ کسی کی مروت یا لالچ میں جھوٹی گواہی نہ دیں۔ فیصلہ کریں تو حتمی انصاف کے ساتھ فیصلہ کریں۔ کسی کی رورعایت نہ کریں۔ اگر دو مؤمن آپس میں لڑ رہے ہوں تو اس میں انصاف کریں، بے جا الزام نہ لگائیں۔

استاد و مرشد کا عدل

عالم و مدرس درس دیں تو عدل و انصاف کے ساتھ درس دیں۔ اِدھر اُدھر کی لگا کر طلبہ کو خوش نہ کریں۔ مرشد و پیر مالدار مریدوں کو خوش کرنے یا ان سے بڑے بڑے نذرانے وصول کرنے کے لئے نہ خلاف شرع باتیں کریں نہ خلاف شرع کام کریں اور نہ اپنے سامنے خلاف شرع کام روا رکھیں۔

اس آیت کو وہ لوگ بھی بہت غور سے پڑھیں، جو اپنے عیب چھپانے کے لئے جھوٹی تاویلیں اور حیلے بہانے کرتے ہیں۔

اس آیت سے یہ بھی ثابت ہو گیا کہ رشوت لے کر یا کسی قرابتدار و عزیز یا مالدار کی مالداری کی رعایت کر کے غلط فتویٰ دینا یا جھوٹی گواہی دینا یا غلط فیصلہ کرنا سب حرام ہے۔ (تفسیر نعیمی)

(۹) اللہ تعالیٰ سے کیا عہد پورا کرو

ایفائے عہد اور کئے ہوئے وعدوں کا پورا کرنے کا قرآن کریم میں بار بار ذکر کیا گیا ہے۔ حدیث شریف میں بھی ایفائے عہد اور وعدے پورے کرنے کی سخت تاکید آئی ہے۔ حتیٰ کہ وعدہ پورا نہ کرنے والے کو منافق کہا گیا ہے۔

آیت میں ”عہد اللہ“ سے مراد وہ اوامر و نواہی ہیں ہے، جو اللہ تعالیٰ نے

بندوں پر نافذ فرمائے ہیں۔ یعنی اس کے وہ احکام جو نبی ﷺ کے ذریعہ بندوں کو ملے۔ یا وہ عہد و پیمان اور وعدہ، جو اللہ تعالیٰ کو ضامن بنا کر ایک بندہ نے دوسرے بندہ سے کیا۔ ہمیں حکم یہ ہے کہ ہم یہ عہد و پیمان پورے کریں۔ مولیٰ کریم اپنے فضل سے ہم سب کو وعدہ وفا کرنے کی توفیق دے۔ (تفسیر نعیمی)

پہلے تو عام لوگ یا پیشہ ور (رنگائی پتائی، تعمیرات یا دیگر دنیوی پیشے والے) لوگ ہی وعدہ خلافیاں کرتے تھے۔ مگر اب تو حال یہ ہے کہ وہ لوگ جو دینی رہبر کہلاتے ہیں، دینی مجلسوں میں شرکت کے وعدے کرتے ہیں، ذرہ جھٹکے اور ذرا سے لالچ میں قرآن وحدیث کی آیتیں وحدیثیں اچھی اچھی لَے میں سنانے والے قرآن وحدیث کی تاکیدی احکام کی دھجیاں اڑا کر وعدہ خلافیاں کر رہے ہیں۔

مسئلہ: اللہ تعالیٰ کے نام کے ساتھ جس شخص سے وعدہ کیا جائے اس کا پورا کرنا بہت ضروری ہے۔ خواہ مرید اپنے شیخ سے کرے یا کسی اور سے۔

اس سے وہ مرید عبرت حاصل کریں، جو مرید ہوتے وقت پیر سے دسیوں وعدہ کرتے ہیں اور پیر پیر کے نعرے لگاتے ہیں، لیکن پیر سے کیا ہوا ایک بھی وعدہ پورا نہیں کرتے۔

اللہ تعالیٰ نے پہلی آیت میں بھی احکام بیان فرما کر (ذٰلِكُمْ وَصّٰكُمْ) فرمایا اور دوسری آیت میں بھی احکام بیان فرما کر (ذٰلِكُمْ وَصّٰكُمْ) فرمایا۔ یہ احکام ایسے ہیں جو کسی بھی زمانہ اور کسی بھی امت میں نہ بدلے نہ منسوخ ہوئے، بلکہ ان احکام پر تمام دینوں کا اجماع رہا ہے۔

فرمانِ امام المفسرین

سیدنا عبداللہ بن عباس فرماتے ہیں: یہ آیات، آیات محکمات ہیں۔ یہ سب ام الکتاب ہیں۔ تمام کتابوں میں ان آیات میں مذکور احکام میں سے کوئی چیز منسوخ نہیں ہوئی۔ یہ سب بنی آدم پر حرام رہے۔ جو ان پر عمل کرے گا، جنت میں جائے گا اور جو ان کو ترک کرے گا، دوزخ میں داخل ہوگا۔ (صاوی)

اور حق یہی ہے جو امام المفسرین فرمارہے ہیں۔ یہ احکام، جوامع الکتاب ہیں، اگر بہت گہرائی اور باریکی سے غور کرکے دیکھا جائے، تو ان پر وہی شخص کھرا اتر سکتا ہے، جس پر ہر وقت یہ تصور غالب ہو کہ ''خدا دیکھ رہا ہے۔''

کیونکہ عبادت کا ادا کرنا بھی آسان ہے اور عبادات کا درست کرنا بھی آسان ہے۔ لیکن معاملات کی باریکیوں کو سمجھنا، پھر ان کو درست کرنا پھر ان پر کھرا اترنا بہت مشکل کام ہے۔ اکثر لوگ اس میں فیل ہوجاتے ہیں۔ خاص طور سے اس زمانے کی تعلیم، جس کا مقصد طلبِ شہرت، طلبِ دولت اور طلبِ عزت کے علاوہ کچھ نہیں۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ یہ احکامِ تاکیدی بار بار (وَصّٰكُمْ) فرما کر وصیت کے ذریعہ بیان فرمارہا ہے۔

اعمال کی ناپ تول آج ہی کرلو

اِس حقیر نے یہ احکام کچھ تفصیل سے بیان کردیئے، تاکہ ہمارے دینی بھائی اپنی زندگی کے اعمال کی ناپ تول مرنے سے پہلے زندگی ہی میں کرلیں اور جس کو نہ کرسکیں اس کی وصیت کردیں۔ زندگی میں جو تقصیرات و کوتاہیاں ہوئی ہیں یا جیسے گناہ ہوئے

ہیں، اس طرح کی نیکی کرلیں یا اس کا کفارہ ادا کردیں یا کفارہ ادا کرنے کی وصیت کردیں۔ تاکہ قیامت میں گناہوں کا پلہ نیکیوں سے بھاری نہ ہوجائے لیکن یہ ممکن اسی وقت ہے جب ہم اللہ تعالیٰ کے حبیب ﷺ اور ان کے صحابہ کی سیرت پڑھیں۔ کیونکہ اللہ پاک کے حبیب ﷺ کی ذات اور آپ کے پیارے صحابہ کی زندگیاں اِن احکام کی عملی تفسیر تھیں۔ خواہ وہ یتیموں کی پرورش ہو یا خرید وفروخت، وعظ ونصیحت ہو یا حق گوئی وایفائے عہد، عدل وانصاف ہو یا شہادت وفیصلہ وہ نفوس قدسیہ ہر معاملہ میں قیامت تک کے لئے ہمارے لئے عملی نمونے چھوڑ گئے کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے ان کے دل ودماغ پر یہ تصور قائم کردیا تھا کہ: ''خدا دیکھ رہا ہے۔''

خدائی وصیت

اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے کلامِ مقدس میں ارشاد فرماتا ہے:

وَ وَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ حَمَلَتْهُ اُمُّهٗ وَهْنًا عَلٰى وَهْنٍ وَّ فِصٰلُهٗ فِيْ عَامَيْنِ اَنِ اشْكُرْ لِيْ وَلِوَالِدَيْكَ اِلَيَّ الْمَصِيْرُ.

(پ:۲۱۔لقمان:۱۴)

ترجمہ: اور ہم نے آدمی کو اس کے ماں باپ کے بارے میں تاکید فرمائی، اس کی ماں نے کمزوری پر کمزوری جھیلتے ہوئے اسے پیٹ میں رکھا۔ اور اس کا دودھ چھوٹنا دو برس میں ہے، یہ کہ حق مان میرا اور اپنے ماں باپ کا، آخر (تجھے) مجھ تک ہی آنا ہے۔

ذکر چل رہا تھا حضرت لقمان کی ان چند وصیتوں کا جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب ﷺ کی امت کی تاقیامت رہنمائی کے لئے قرآن میں بیان فرمادیا۔

اور جس سورت میں حضرت لقمان کی وصیتوں کو بیان فرمایا، اس سورت کا نام ہی
سورۂ لقمان قرار پایا۔ حضرت لقمان نے اپنے بیٹے کو وصیت میں سب سے پہلے
شرک سے منع فرمایا۔ ان کی وصیتوں کے بیچ میں اللہ تعالیٰ اس آیت کے ذریعہ
تمام انسانوں کو ان کے والدین کے سلسلے میں بذات خود وصیت فرما رہا ہے۔ اس
میں مُوصِی (وصیت کرنے والا) اللہ تعالیٰ ہے۔ مُوصٰی لَہٗ (جس کو وصیت
کی جارہی ہے وہ) انسان ہے۔ اور مُوصٰی بِہٖ (جس کے بارے میں وصیت
کی جارہی ہے وہ) ماں باپ ہیں۔ اور اس وصیت کی صورت اور طریقہ یہ ہے کہ
انسان اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرے اور اللہ تعالیٰ کے بعد خاص طور سے اپنے ماں
باپ کا احسان مند رہے۔ یعنی ان کے ساتھ حسن سلوک کرے۔ اور ماں باپ
میں بھی خاص طور سے ماں کے ساتھ۔ جیسا کہ حدیث شریف میں ہے:

ایک صاحب نے عرض کیا: سرکار (ﷺ) ہمارے حسن سلوک کا سب
سے زیادہ مستحق کون ہے؟ آقا ﷺ نے فرمایا: اُمُّکَ (تمہاری ماں) دوبارہ
عرض کیا: حضور پھر کون؟ تو آقا ﷺ نے فرمایا: تمہاری ماں۔ تیسری مرتبہ
سوال کیا: حضور پھر کون؟ جواب ملا: تمہاری ماں۔ پھر چوتھی مرتبہ فرمایا: ثُمَّ
اَبَاکَ (چوتھے نمبر پر تمہارے باپ۔)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ماں خدمت اور حسن سلوک کی زیادہ مستحق
ہے۔ اس کی کچھ وضاحت ہم نے اپنی کتاب ''سعادت مند اولاد'' میں کی ہے۔

اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ: اے انسان! پہلے تو میرا شکر گزار بندہ بن۔
کیونکہ تجھے میں نے پیدا کیا اور تجھے اسلام کی ہدایت دی۔ پھر اپنے ماں باپ کا۔
اس لئے کہ انہوں نے بچپن میں تیری پرورش کی۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے شکر کے ساتھ

ماں باپ کے شکر کو متصل اور ملا کر اس لئے بیان فرمایا کہ: انسان کے وجود حقیقی کی
اصل اللہ تعالیٰ کا فضل اور کرم اس کا احسان ہے اور انسان کے وجودِ مجازی کی اصل
اس کے ماں باپ ہیں۔ اس لئے اللہ تعالیٰ کا جو شکر ہے وہ شکر حقیقی ہے کہ: حقیقی
نعمتیں اسی کی ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کے علاوہ دوسروں کا شکر شکر مجازی ہے۔ کیونکہ
دوسروں کی نعمتیں بھی مجازی ہیں۔ جیسا کہ حقیقی حمد وتعریف اللہ تعالیٰ ہی کی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا شکر: اللہ تعالیٰ کی تعظیم وتکریم کے ساتھ عبادت وبندگی
کرنا اور ہر نعمت کو دل سے اسی کی طرف سے جاننا وغیرہ۔

ماں باپ کا شکر: والدین کی تعظیم وتوقیر کرنا، ان کے ساتھ شفقت و
مہربانی اور نرمی سے پیش آنا اور ضرورت پڑنے پر ان کی مالی وجسمانی خدمت کرنا۔

اللہ تعالیٰ نے اس آیت مبارکہ میں والدین کے حق کو اپنے حق کے ساتھ
بیان فرما کر ماں باپ کی عظمت کو بیان فرمادیا۔

اے انسان! اللہ پاک کی اس وصیت پر غور کر: اس نے اپنے حق توحید کے
بعد ماں باپ کے حقوق کی وصیت فرمائی۔ اور تیری اولاد کو حکم دیا کہ وہ تیرے
ساتھ حسن سلوک کرے اور تیرے حق کو پہچان کر تیرے حقوق کی رعایت
کرے۔ کیسا غافل ہے نادان انسان؟ مولیٰ کریم تو اس کے حقوق کی رعایت اور
ان کی ادائیگی کیلئے اپنے حق کے ساتھ ماں باپ کے حقوق کا حکم دے رہا ہے۔

اور ایسا قرآن پاک میں ایک جگہ نہیں ہے بلکہ بار بار ذکر فرمایا ہے۔ چنانچہ
سورہ بقرہ آیت (۸۳) میں فرماتا ہے:

ترجمہ: یاد کرو وہ وقت جب ہم نے بنی اسرائیل سے عہد وپیمان لیا کہ
اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی کو نہ پوجو اور ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک کرو۔

سورۂ نساء آیت (۳۶) میں فرمایا:

وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا۔ (پ:۵۔سورۂ نسا:۳۶)

ترجمہ: اور والدین کے ساتھ حسن سلوک کرو۔

سورۂ انعام آیت (۱۰۱) کی تفسیر گزر چکی ہے۔ سورہ اسراء میں فرمایا:

وَقَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْا اِلَّا اِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا۔

ترجمہ: تمہارے رب نے فیصلہ کیا کہ اس کے علاوہ کسی کو نہ پوجو اور ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک کرو۔ (پ:۱۵۔سورۂ اسرا:۲۳)

یہ چند مقامات ہیں جہاں اللہ تعالیٰ نے بار بار اپنے حق توحید کے ساتھ ماں باپ کے ساتھ احسان اور حسن سلوک کو بیان فرمایا۔

ہر انسان کو چاہئے کہ اس حکم اور اس وصیت کے ایک ایک لفظ اور کلمہ پر غور کرے۔ جیسا کہ اسی آیت (وَوَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ) میں لفظ انسان کا ذکر ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے (وَوَصَّيْنَا الْمُؤْمِنَ اَوِ الْمُسْلِمَ) نہیں فرمایا۔ یعنی یہ حکم صرف اہلِ اسلام (مسلمانوں) کے ساتھ خاص نہیں۔

اور الانسان (الف لام کے ساتھ) فرمایا۔ یعنی: ہماری یہ وصیت جنس انسان کو ہے، یہ حکم ہر انسان کو شامل ہے۔ اس کا دین، اس کی نسل، اس کا جسم اور اس کی زبان اگرچہ مختلف ہو۔ حاصل یہ نکلا کہ: ماں باپ کا حق اختلاف دین کے باوجود باقی رہتا ہے۔ جب اختلاف دین کے باوجود یہ حق ساقط نہیں ہوتا، تو کسی اور اختلاف کی وجہ سے کیسے مارا جائے؟ چنانچہ حدیث شریف میں آیا ہے:

سیدہ اسما بنت ابی بکر سے روایت ہے، فرماتی ہیں: میری ماں حالتِ شرک میں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی موجودگی میں میرے پاس آئیں۔ تو میں نے رسول

اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا: سرکار! میری ماں میرے پاس آئیں ہیں، اور وہ اسلام کی طرف مائل ہیں، تو کیا میں ان کے ساتھ صلہ رحمی کر سکتی ہوں؟ سرکار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ہاں! صِلِيْ اُمَّكِ (تم ماں کے ساتھ صلہ رحمی کرو۔)

یہ حدیث مُتَّفَق عَلَيْه ہے یعنی اس حدیث کو امام بخاری اور امام مسلم نے روایت کیا ہے۔ اس حدیث کو نقل فرمانے کے بعد امام خطابی فرماتے ہیں: جس طرح سے مؤمن، مؤمنہ کے ساتھ مالی صلہ رحمی کی جائے گی، اسی طرح غیر مؤمن اور مؤمنہ کے ساتھ صلہ رحمی کا حکم باقی رہے گا۔ اور اسی سے ثابت ہوا کہ غیر مؤمن ماں باپ کا نفقہ وخرچہ اولاد پر وجوباً ثابت ہوگا اگرچہ اولاد مؤمن ہو۔

ایک نکتہ: ان آیتوں میں ایک بات اور غور کرنے کی ہے، کہ: اللہ تعالیٰ نے اولاد کو ماں باپ کے ساتھ حسنِ سلوک کی وصیت تو فرمائی اور بار بار فرمائی ہے۔ لیکن ماں باپ کو اولاد کے ساتھ شفقت ونرمی کا برتاؤ کرنے کی وصیت نہیں فرمائی۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ماں باپ کے دل فطری طور پر اولاد کی طرف مائل کر دئے ہیں، جس کی وجہ سے انہیں اس کا حکم دینے کی ضرورت نہیں، وہ از خود اس فعل کو انجام دیتے ہیں۔ لیکن اولاد میں یہ میلان اور یہ جھکاؤ فطری طور پر نہیں پایا جاتا، اس لئے اولاد کو سختی کے ساتھ بار بار ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک کی وصیت کی۔ یہاں تک کہ ماں باپ کے شکر اور حسن سلوک کو اللہ تعالیٰ نے اپنی عبادت، اپنے حق اور اپنے شکر کے ساتھ بیان فرمایا۔ ایک حدیث میں آیا ہے:

مَنْ لَمْ يَشْكُرِ النَّاسَ لَمْ يَشْكُرِ اللّٰهَ (روح البیان)

جو لوگوں کا شکر ادا نہیں کرتا وہ اللہ تعالیٰ کا بھی شکر گزار نہیں ہوتا۔

اس حدیث میں ماں باپ اور دوسرے محسنوں کے شکر کو خدا کے شکر کی

صحت کے لئے شرط قرار دیا۔ یعنی جب بندہ اپنے دنیا کے محسنوں کا شکر ادا کرے گا تبھی اللہ تعالیٰ کا شکر گزار بنے گا۔

ماں کی مشقت زیادہ

پہلے (وَ وَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ میں) تو اللہ تعالیٰ نے ماں باپ کے ساتھ عمومی طور پر حسن سلوک کا حکم دیا۔ مگر آگے (حَمَلَتْهُ اُمُّهٗ میں) ماں کا ذکر خصوصی طور پر علیحدہ فرمایا۔ ایسا اس لئے کیا کہ: ماں کا حق عظیم اور اس کی قدر و منزلت زیادہ ہے۔ کیونکہ اس نے حمل سے لے کر پیدائش اور دودھ پلانے کی مدت تک ضعف پر ضعف، شدت پر شدت، مشقت پر مشقت اور پریشانیوں پر پریشانیاں برداشت کیں۔ ان تمام چیزوں پر اللہ تعالیٰ نے (حَمَلَتْهُ اُمُّهٗ وَهْنًا عَلٰى وَهْنٍ) میں بیان فرمایا ہے۔ مادریت، ممتا (ماں ہونا) یہ ایک ایسی نعمت ہے، جو انسان کو شرعی نکاح ہی کے ذریعہ حاصل ہو سکتی ہے۔

کیا عورتوں کی آزادی کا نعرہ لگانے والی اور غیر شرعی ناجائز وحرام تعلقات پیدا کرنے پر اکسانے والی آج کی جدید تہذیب ممتا کی شفقت جیسی نعمت دے سکتی ہے۔

یاد رکھنے کی بات

انسان کم سنی و بچپن میں اپنے ماں باپ کی خدمات و احسانات اور ان کی رعایت و نگرانی کا محتاج ہے۔ اور اس کی تربیت و پرورش میں دونوں کا رول اور دخل ہے۔ یہ اور بات ہے کبھی ماں کی خدمات زیادہ اور کبھی باپ کے احسانات زیادہ۔ لیکن انسان ہے دونوں کا محتاج۔

ماں باپ کے لئے دعا

اسی لئے قرآن کریم نے انسان کو دونوں کا شکر ادا کرنے اور دونوں کو اپنی دعاؤں میں یاد رکھنے کا حکم دیا ہے۔ چنانچہ اللہ تبارک وتعالیٰ پندرہویں پارہ کی سورہ بنی اسرائیل میں ارشاد فرماتا ہے:

رَبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيَانِيْ صَغِيْرًا ۔ (بنی اسرائیل: ۲۴)

ترجمہ: اے میرے (مہربان کریم) پروردگار میرے ماں باپ پر (کبرسنی اور بڑھاپے میں یا بعدِ موت) ایسے ہی رحم فرما، جیسے انہوں نے میری صغر سنی (اور لاغری) میں (شفقت و مہربانی سے) پرورش فرمائی۔

مولیٰ کریم نے شکر کی ادائیگی اور دعاؤں میں یاد رکھنے کے لئے ماں باپ کا ایک ساتھ ذکر کیا۔ لیکن اسی وصیت کے شروع میں ماں کا علیحدہ ذکر فرمایا، اس میں باپ کو شامل نہیں کیا۔ وہ اس لئے کہ انسان جب انسانی شکل یا انسانی مراحل سے گزررنے کی پہلی منزل پر ہوتا ہے، تو اس منزل پر ماں کے علاوہ دوسرا کوئی اور مشقتیں اٹھاتا اور مصیبتیں جھیلتا ہوا نظر نہیں آتا۔ جیسے حمل کی منزل لے لیجئے کہ وہاں مشقت برداشت کرنے میں کوئی ماں کا شریک نہیں ہے۔ نہ باپ اور نہ کوئی اور۔ اسی طرح جب بچہ شکمِ مادر سے اِس کارگاہِ حیات میں قدم رکھتا ہے تو یہاں پر بھی ماں ہی کی عنایتیں اور مہربانیاں زیادہ نظر آ رہی ہیں۔

رہیں باپ کی خدمات، تو بعض چیزوں کو مستثنیٰ کر کے، اولاد کے لئے باپ کی جو بھی خدمات ہوتی ہیں، ان میں سے ہر خدمت میں ماں، باپ کے ساتھ شریک ہوتی ہے۔ لیکن ماں کی خدمات میں حمل، وَضعِ حمل (پیدائش) اور دودھ

پلانے کی مدت میں اولاد کی تربیت و پرورش میں جو مشقتیں اور پریشانیاں ماں اٹھاتی ہے، ان میں باپ بھی ماں کا شریک نہیں۔ اسی لئے شریعت میں حقِّ خدمت ماں کا زیادہ ہے، اگرچہ حقِ تعظیم باپ کا زیادہ ہے۔

جیسا کہ حدیث شریف میں ہے، اللہ پاک کے حبیب ﷺ نے اس شخص کے جواب میں جس نے یہ سوال کیا تھا کہ: میری خدمت کا سب سے زیادہ مستحق کون ہے؟ سرکار ﷺ نے تین مرتبہ فرمایا: اُمُّكَ (تمہاری ماں) اور چوتھی مرتبہ فرمایا: ثُمَّ اَبَاكَ (پھر تمہارے والد)۔ (بخاری شریف)

علامہ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں: اس حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ باپ کے مقابلہ میں ماں کے ساتھ حسن سلوک اور خدمت کا حق تین گنا زیادہ ہے۔ وہ اس لئے کہ حمل، وضع حمل پھر دودھ پلانے کی مشقتیں ان تینوں میدانوں میں ماں اکیلی نظر آرہی ہے۔ باقی دوسرے تربیتی مراحل میں باپ ماں کے ساتھ شریک ہے۔ (فتح الباری شرح بخاری)

مولیٰ کریم کی اس وصیتِ عظیمہ میں ہم سب کو دعوت فکر ہے کہ: ہم لوگ اس وصیت سے استفادہ کریں اور اپنے ماں باپ کے حقوق پہچانیں۔

نئی نسل ہوش میں آ!

اے نئی دنیا کے نوجوانو! موبائل، کمپیوٹر اور انٹرنیٹ میں منہمک اور مشغول نوخیزو! اس وصیت کے ایک ایک کلمہ اور ایک ایک لفظ کو دھیان سے پڑھو اور اس میں غور کرو، پھر اپنی حالت دیکھو کہ تمہارا اپنے ماں باپ خصوصاً ماں کے ساتھ کیا سلوک ہے؟ ماں باپ کی بھلائیاں یاد کرو، ان کے احسانات یاد کرو، ان کی

عنایتیں اور عطائیں یاد کرو، خصوصاً راتوں کو ماں کا جاگنا یاد کرو، اس کا خود بھیگے میں سونا اور تمہیں سوکھے میں سلانا یاد کرو، سخت سردی کی راتوں میں جب تم پیدائش کے بعد ابتدائی منزلوں میں گوشت کے ایک لوتھڑے کی طرح تھے، تو ماں کا بار بار پیشاب و لیٹرین میں بھیگے کپڑے اور چیتھڑے بدلنا یاد کرو۔

کیا تم اس کی ان خدمات کا صلہ و بدلہ دے سکتے ہو؟ کیا اس کے ان احسانات کے بوجھ سے خود کو آزاد کر سکتے ہو؟ نہیں! ہرگز نہیں!

لیکن ان کی ان خدمات واحسانات کے بدلہ ان کے ساتھ بھلائی سے پیش آؤ، ان کے ساتھ حسنِ سلوک کرو، ان کی دلجوئی کرو، انہیں خوش رکھنے کی ہر ممکن کوشش کرو انہیں ایذا وتکلیف نہ پہنچاؤ۔ تاکہ تمہاری یہ خدمات ان کے احسانات کا مکمل نہ سہی کچھ تو صلہ بنیں گی اور تمہاری دنیا وآخرت کی کامیابی میں اہم کردار ادا کریں گی۔

جیسی کرنی ویسی بھرنی

اے انسان! دنیا، دنیا کی لذتوں اور اس کمپیوٹر وانٹرنیٹ میں مشغول ہو کر اس سے ہرگز غافل نہ ہو جانا۔ بلکہ یاد رکھ تو جو کچھ کر رہا ہے، ایک دن اسے ضرور دیکھے گا۔ اگر نیکی اور بھلائی کرے گا، تو اس کا صلہ ونفع ضرور پائے گا۔ اور یہ جان لے، کہ انسان کی نیکی اور حسن سلوک کا نفع اسی کو ملتا ہے۔ خبردار! ماں باپ کی نافرمانی سے بچ، اگرچہ تجھے بڑے بڑے مقام ومرتبہ اور ہیرے جواہرات پیش کئے جائیں۔ اِفْعَلْ مَا شِئْتَ۔ (جو دل میں آئے کر)۔ کما تدین تدان۔ (جیسا کرے گا ویسا بھرے گا۔)

خدا کا حق مقدم

مولیٰ کریم نے ہمیں ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک کرنے کی وصیت فرمائی، خصوصاً ماں کا حق، اس کا فضل و احسان، اس کی مہربانیاں اور اس کی عنایتیں بڑے حسین پیرائے میں اپنے کلام میں بیان فرمائیں۔ پھر اپنے شکر کے ساتھ ماں پاب کا شکرادا کرنے کا حکم دیا۔ ان کے حق عظیم اوران کے بارے میں وصیت کرنے کے ساتھ اس وصیت میں اللہ تعالیٰ نے اس بات کی بھی وضاحت فرمادی کہ یہاں پر بھی اللہ تعالیٰ کا ہی حق اعظم اور بڑا ہے اوراس کا دین مقدم رکھا جائے گا۔ جب معاملہ اللہ تعالیٰ کے دین اور ماں باپ کے ساتھ بِر اور حسن سلوک کے بیچ تقابل یا ٹکراؤ کا ہوگا، تو ایسے موقعہ پر تقدم واہمیت اللہ تعالیٰ کے حقوق ہی کو حاصل ہوگی۔ کیونکہ جس کا احسان زیادہ اس کا حق مقدم۔ اور ہر شخص جانتا ہے کہ، انسان پر حقیقی اور بڑا احسان اللہ تعالیٰ ہی کا ہے۔

اسی نکتہ کواللہ تعالیٰ نے اپنے کلام میں بیان کرتے ہوئے فرمایا:

وَ اِنۡ جَاهَدٰكَ عَلٰٓى اَنۡ تُشۡرِكَ بِىۡ مَا لَيۡسَ لَكَ بِهٖ عِلۡمٌ فَلَا تُطِعۡهُمَا ۔ (پ:۲۱-سورۂ لقمان:۱۵)

ترجمہ: اور اگر وہ دونوں (تیرے ماں باپ) تجھے میرے ساتھ ایسی چیز کوشریک ٹھہرانے پر ابھاریں جس کا تجھے علم نہیں تو ان کی بات مت مان۔

علما فرماتے ہیں: اگر ماں باپ اس بات کے حریص ہوں کہ، اولاد بے دینی میں ان کی پیروی کرے۔ جب کہ وہ بے دین ہوں۔ تو اولاد کو چاہئے کہ ان سے بچے اوران کی بات نہ مانے۔ اس لئے کہ انسان کو قیامت میں اللہ تعالیٰ ہی کی

طرف پلٹ کر جانا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس انسان کو جس نے اپنے دین پر قائم رہتے ہوئے اپنے ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک کیا، پورا پورا بدلہ دے گا اور قیامت میں اس کو صالحین کے ساتھ اٹھائے گا۔ کیونکہ حدیث شریف میں ہے:

قیامت میں انسان کو اس کے ساتھ اٹھایا جائے گا، جس سے وہ دنیا میں محبت کرتا تھا۔

اگر چہ دنیا میں انسان کے سب سے زیادہ قریبی ماں باپ تھے۔ لیکن یہاں حدیث میں مَنۡ اَحَبَّ سے دینی محبت مراد ہے دنیوی محبت نہیں۔

یاد رکھنے کی بات

اس آیت میں ایک بات اور بہت غور کرنے کی ہے۔ وہ یہ ہے کہ اگر کسی کے ماں باپ اس کو دین حق سے پھیرنے کی کوشش کررہے ہیں اور اس کو گمراہی میں پہنچانا چاہتے ہیں، تو ان کی اتباع واطاعت کا حق ساقط ہوجائے گا۔ لیکن ان کے ساتھ حسن سلوک کا حق تب بھی باقی رہے گا۔ جیسا کہ آگے فرماتا ہے:

وَ صَاحِبۡهُمَا فِى الدُّنۡيَا مَعۡرُوۡفًا (پ:۲۱-سورۂ لقمان:۱۵)

ترجمہ: اور دنیا میں اچھی طرح ان کا ساتھ دے۔

(وَ اِنۡ جَاهَدٰكَ) اس جملہ میں اللہ تعالیٰ نے اس بات کو بجائے (اِذَا) کے (اِنۡ) کے ذریعہ بیان فرمایا ہے، جو عربی میں کسی مشکوک یا نادِرُ الوُقوع چیز کیلئے آتا ہے۔ مطلب یہ کہ ماں باپ کا اپنی اولاد کو کفر وشرک کی دلدل میں پھنسا کرابدی ودائمی عذاب میں ڈالیں، ایسا بہت کم ہوتا ہے۔ کیونکہ ماں باپ اپنی اولاد کیلئے خیر اور بھلائی کے طلبگار اور خواہشمند ہوتے ہیں۔ اور مکمل خیر و

بھلائی اور دائمی عیش دین کی اتباع و پیروی میں ہی ہے۔لیکن اگر خدانا خواستہ اس طرح کا واقعہ پیش آجائے،تو اس کا حکم وہی ہے جو خدائے پاک نے بیان فرمایا ہے:(فَلَا تُطِعْهُمَا) کہ اس سلسلہ میں ان کی بات نہیں مانی جائے گی۔

ھدایت:مولیٰ کریم ہمارا آپ کا بھلا کرے! اس آیت میں لفظ (جَاهَدٰكَ) پر غور کرو،تو ایک بات اور سمجھ میں آئے گی ،کہ ماں باپ مسلسل و متواتر اولاد کو دین حق یا تقویٰ وطہارت سے پھیرنے کی کوشش کریں یا بد دین وبد مذہب بنانے کے لئے اپنی پوری طاقت لگا دیں،تب بھی اولاد اس بات پر ان کی اطاعت نہیں کرے گی۔اور اس معاملہ میں ان کا حق اطاعت ساقط ہوجائے گا۔یہ ناحق کوشش ماں باپ دونوں مل کر کریں یا ان دونوں میں سے ایک کرے،حکم دونوں صورتوں میں ایک ہی ہے۔جیسا کہ مسلم شریف کی حدیث میں سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کا واقعہ آج کل کی نئی نسل کیلئے بہت کافی ہے۔

دین میں استقامت

جب حضرت سعد چودہ برس کی عمر میں ایمان لائے،تو آپ کی ماں نے اس وقت تک آپ سے نہ بولنے اور نہ کھانے پینے کی قسم کھائی جب تک کہ دین سے نہ پھر جائیں۔اور حضرت سعد رضی اللہ عنہ سے یہ بھی کہا: کہ تم جانتے ہو اللہ تعالیٰ نے ماں باپ کے ساتھ حسنِ سلوک کی وصیت کی ہے اور میں تمہاری ماں ہوں۔میں تمہیں حکم دے رہی ہوں کہ تم اسلام سے پھر جاؤ بے دین ہو جاؤ۔ایک روایت میں یہ بھی آیا ہے کہ حضرت سعد کی ماں نے تین روز کھانا نہیں کھایا،لیکن حضرت سعد اپنے ایمان میں اتنے مضبوط تھے،وہ بولے: اگر اللہ تعالیٰ ان کو ستر

مرتبہ روح عطا فرمائے،اور ایک ایک کر کے ان کی روح قبض کر لے یعنی بالفرض اگر ستر مرتبہ وہ مریں،تب بھی میں دین سے نہیں پھروں گا۔

دیکھو حضرت سعد رضی اللہ عنہ عشرہ مبشرہ سے ہیں، وہ قرآن کو خوب سمجھتے تھے، ماں باپ کے حقوق بھی جانتے تھے، ان کے فرمانبردار بھی تھے اور یہ بھی جانتے تھے کہ ایمان وتوحید کے بعد حقوقِ واجبہ میں ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک کرنا اہم حق ہے۔لیکن کفر و بے دینی میں ان کی اطاعت نہیں کی۔بس اس آیت وحدیث اور واقعہ سے یہ ثابت ہوا کہ ماں باپ کے ساتھ جو احسان اور حسن سلوک کا حق ہے،وہ تو کفر کی حالت میں بھی باقی رہے گا،لیکن کفر وشرک اور بے دینی میں ان کی اطاعت نہیں کی جائے گی۔کیوں کہ حدیث شریف میں ہے:

لَا طَاعَةَ لِمَخْلُوْقٍ فِي الْمَعْصِيَةِ۔ (بخاری شریف)

اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں مخلوق میں سے کسی کی اطاعت وفرمانبرداری نہیں کی جائے گی۔

مگر ماں باپ کے ساتھ حسنِ صحبت اور اچھی مُعَاشَرَت کا معاملہ کیا جائے گا۔جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَصَاحِبْهُمَا فِي الدُّنْيَا مَعْرُوْفًا۔ (پ:۲۱-سورۂ لقمان:۱۵)

ترجمہ:اور دنیا میں اچھی طرح ان کا ساتھ دے۔

مطلب معصیت وگناہ میں ان کی اطاعت معروف نہیں ہے۔

حسنِ صحبت

حدیث میں ہے: حسنِ صحبت یہ ہے کہ جب وہ بھوکے ہوں تو انہیں کھانا

کھلائے اور کپڑے کی ضرورت ہو تو انہیں کپڑے پہنائے۔

اسی لئے مومن اولاد پر (معاذ اللہ) کافر یا بے دین ماں باپ کا نفقہ، ان کے ساتھ حسن سلوک، ان کی خدمت اور ان سے ملاقات وغیرہ واجب ہے۔ لیکن جب یہ خوف و اندیشہ ہو کہ وہ ہمیں کفر کی طرف کھینچ کر لے جائیں گے، تو ان سے ملاقات جائز نہیں۔

علما نے یہاں تک فرمایا: مومن اولاد اپنے (کافر) ماں باپ کو ان کی کفری عبادت گاہوں تک نہیں لے جائے گی اگرچہ وہ کہیں اور لے جانے پر زور دیں، کیونکہ یہ گناہ ہے۔ لیکن کفری عبادت گاہوں سے ان کو گھر پہنچائے گی۔

اور علما نے یہ بھی فرمایا: جب ماں باپ اللہ تعالیٰ یا دین سے غافل یا جاہل ہوں، تو انہیں خطا اور گناہ سے بچاتے ہوئے اللہ تعالیٰ اور دین کا صحیح تعارف اور دینی معلومات فراہم کرائیں، مگر نرمی سے۔ (روح البیان)

حسنِ سلوک ہر حال میں لازم ہے

اگر اسی آیت کے جملہ (فَلَا تُطِعۡهُمَا) پر غور کریں، تو معلوم ہوگا کہ مولیٰ کریم کے کلام میں ماں باپ کے مقام و مرتبہ اور ان کی قدروں کا کس قدر خیال رکھا گیا ہے۔ کہ یہاں (فَلَا تُطِعۡهُمَا) فرمایا (فَلَا تُبِرَّهُمَا) نہیں فرمایا۔ اور اس حکم کو عدم طاعت وفرمانبرداری میں منحصر کر دیا۔ مطلب یہ کہ اگر ماں باپ خدا نخواستہ کفر و شرک جیسے گناہ عظیم کا حکم دیں، تو دین کی بالا دستی قائم رکھتے ہوئے مولیٰ تعالیٰ نے حکم دیا کہ اس معاملہ میں ان کی اطاعت نہیں کی جائے گی۔ یہ حکم نہیں دیا کہ ان کے ساتھ حسن سلوک نہیں کیا جائے گا، نہ ہی ان کو ایذا پہنچانے کا

حکم دیا اور نہ ہی ان کے ساتھ حسن سلوک میں کوتاہی کرنے کی اجازت دی۔ بلکہ اس کفر و شرک جیسے گناہ عظیم کے ہوتے ہوئے بھی فرمایا: (وَ صَاحِبۡهُمَا فِی الدُّنۡیَا مَعۡرُوۡفًا) یعنی ان کے ساتھ (کفر و شرک جیسی گندگی کے باوجود) دنیاوی بھلائیاں کرتے رہو۔

تو اس حکمِ خداوندی کی وجہ سے ہم پر لازم ہو گیا کہ ہم اپنے ماں باپ کے ساتھ بھلائی کریں اگرچہ ان سے گناہ عظیم بھی صادر ہو رہا ہو۔ تو جب ماں باپ مومن اور نیک و صالح ہوں، بھلائی و نیکی کا حکم دیتے ہوں اور خیر کی دعوت دیتے ہوں، تو ایسی صورت میں ان کی اطاعت و فرمانبرداری کی اہمیت کس قدر بڑھ جائے گی؟ یہ بتانے کی چنداں ضرورت نہیں۔

عظیم توجہ

اللہ تعالیٰ نے ضعیف العمر کمزور ماں باپ کے حقوق کی کس طرح حفاظت فرمائی، کہ اختلافِ دین کے باوجود ان کے ساتھ حسن سلوک کا حکم دیا۔ علما فرماتے ہیں: دین مختلف ہونے کے باوجود اولاد پر ماں باپ کا خرچہ ضروری ہے۔ اولاد کے لئے کسی طرح یہ درست نہیں کہ ماں باپ کو فقر و فاقہ یا مصیبت و پریشانی میں چھوڑ کر خود بیوی بچوں کے ساتھ عیش و عشرت میں زندگی گزارے۔

جیسا کہ آج جدید سائنس وٹیکنالوجی زدہ تہذیب میں یہ سب کچھ عام طور پر دیکھا جا سکتا ہے۔ یہ جدید تعلیم یافتہ جنٹلمین اولاد خود تو امریکہ، برطانیہ اور دیگر بڑے بڑے ملکوں میں عیش و عشرت کی زندگیاں گزار رہی ہے اور ان کے ماں باپ گھروں میں دو روٹیوں کو ترستے ہیں۔ اگر روٹیوں کو نہیں ترستے، تو سالہا سال اولاد کا منھ

دیکھنے کیلئے تو ترستے ہی ہیں۔ بیماری اور مصیبت کے وقت سہارا تلاش کرتے ہیں۔ اور اگر اولاد کچھ زیادہ ہی سمجھدار ہے، تو بس نوکروں کے رحم و کرم پر چھوڑ دیتی ہے۔

رَحم (رشتہ) توڑنے کی سزا

جبکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام کریم میں رشتوں کو توڑنے والے کی سخت مذمت فرمائی اور اس کے لئے شدید وعیدیں بیان کی ہیں۔ حدیث میں تو یہاں تک فرمایا گیا: قاطعِ رحم (رشتہ توڑنے والا) جنت میں نہیں جائے گا۔

ایک حدیث میں ہے: رحم ساقِ عرش سے معلق ہے۔ عرض کرتا ہے: اے میرے رب! جو مجھے جوڑے تو اسے جوڑ اور جو مجھے کاٹے تو اسے کاٹ۔

تو جب عام قرابتداروں کیلئے یہ حکم ہے کہ انہیں بھوکا پیاسا، بے لباس اور بے سہارا انہیں چھوڑا جائے گا، تو جو سب سے قریبی سب اعظم ذی رحم (رشتہ دار) ہیں۔ یعنی ماں باپ۔ انہیں بھوکا پیاسا اور بے سہارا کیسے چھوڑا جا سکتا ہے؟

صلہ رحمی ضروری

علما نے فرمایا ہے: صلہ رحمی تو واجب ہے، اگرچہ قرابت دار دین میں مخالف ہو۔ اس کا دین اس کے لئے اور صلہ کرنے والے کا دین اس کے لئے۔ اور پھر ماں باپ تو ماں باپ ہیں۔ ان کے ساتھ تو انسان کتنی ہی نیکیاں اور بھلائیاں کرے، حتی کہ اپنی پوری زندگی کی خدمات پیش کر کے بھی ماں باپ کی ایک تکلیف کا حق ادا نہیں کر سکتا۔

حدیث عبرت

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں ایک صاحب آئے اور انہوں نے عرض کیا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! میری ماں بوڑھی ہوگئی ہیں اور میں انہیں اپنے ہاتھ سے کھلاتا پلاتا ہوں اور اپنے کاندھوں پر اٹھاتا ہوں غرضیکہ ساری خدمات انجام دیتا ہوں، تو کیا میں نے ان کی خدمت کا حق ادا کر دیا؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: نہیں سو میں سے ایک حصہ بھی نہیں۔ تو انہوں نے عرض کی: سرکار ایسا کیوں؟ آقا و مولیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: (ایسا اس لئے کہ) جب تم ضعیف و کمزور تھے، تو وہ تمہاری زندگی و صحت کی تمنا اور دعا کرتے ہوئے تمہاری خدمت کرتی تھیں اور تم ان کے بڑھاپے اور ضعف میں ان کی خدمت ان کی موت کی تمنا کرتے ہوئے کر رہے ہو۔ البتہ تم نے کام اچھا کیا۔ مولیٰ کریم تمہیں تھوڑے پر بہت ثواب دے گا۔ (روح البیان)

نوٹ: ماں باپ کی اطاعت و فرمانبرداری سے متعلق ہماری چھوٹی سی کتاب "**سعادت مند اولاد**" کا مطالعہ کریں۔

خدا دیکھ رہا ہے

اللہ تعالیٰ اپنے کلام پاک میں فرماتا ہے:

وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ۔ (پ:۲۶۔ق:۱۶)

ترجمہ: ہم انسان کی شہ رگ سے بھی قریب ہیں۔

کہیں فرماتا ہے: اِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا تَفْعَلُوْنَ۔ (پ:۱۴۔النحل:۹۲)

ترجمہ: جو تم کر رہے ہو اللہ تعالیٰ کو اس کی خبر ہے۔

اور فرماتا ہے:

اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ (پ:۴-آل عمران:۱۱۹)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ دلوں کی بات خوب جانتا ہے۔

ایک جگہ فرماتا ہے: **وَ عِنْدَهٗ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَآ اِلَّا هُوَ وَ يَعْلَمُ مَا فِي الْبَرِّ وَ الْبَحْرِ وَ مَا تَسْقُطُ مِنْ وَّرَقَةٍ اِلَّا يَعْلَمُهَا وَ لَا حَبَّةٍ فِيْ ظُلُمٰتِ الْاَرْضِ وَلَا رَطْبٍ وَّلَا يَابِسٍ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ**
(پ:۷-الانعام:۵۹)

ترجمہ: غیب کی کنجیاں اسی کے پاس ہیں جنکو اس کے سوا کوئی نہیں جانتا اور وہ خشک وتر کی ہر چیز کو جانتا ہے درختوں کے چھوٹوں سے چھوٹے پتے جو گرتے ہیں ان کو بھی جانتا ہے اور زمین کی تاریکیوں میں کوئی ایسا دانہ اور ذرہ نہیں ہے یا خشکی وتری میں جو کتاب مبین یعنی ظاہر کرنے والی کتاب یں موجود نہیں۔

اور فرماتا ہے: **اَحْصٰهُ اللّٰهُ وَ نَسُوْهُ** (پ:۲۸-المجادلہ:۶)

اللہ تعالیٰ نے اس کو محفوظ وشمار کرلیا ہے۔ حالانکہ وہ اس کو (کر کے) بھول گئے۔

اجمالی طور پر یہ مختلف آیتوں کے چند حصے جو میں نے ابھی ذکر کئے، اس مفہوم کا قرآن کریم میں سینکڑوں جگہ ذکر آیا ہے۔ جن سے یہ نتیجہ صاف نکل کر آیا ہے کہ انسان کے تمام اعمال واقوال، حرکات وسکنات حتی کہ دلوں کے خطرات بھی اللہ تعالیٰ کے یہاں پر محفوظ ومحصور، معدود موجود اور اس کے علم میں ہیں، ایک ذرہ بھی اس کے علم سے باہر نہیں۔

میزان میں رکھ دے گا

اب حضرت لقمان کی ان وصیتوں میں سے اس وصیت کو پڑھیے اور سنئے، جس میں انھوں نے اپنے بیٹے کو یہ باور کرانے کی کوشش کی ہے کہ: انسان کہیں بھی کسی بھی جگہ ہو، اس کی نیکی یا بدی چھوٹی سے چھوٹی ہو یا بڑی سے بڑی، کھلی جگہ میں ہو یا بند جگہ میں، زمین کے اوپر ہو یا زمین کی سب سے نچلی سطح پر، آسمانوں میں ہو یا آسمانوں سے اوپر چھوٹی سے چھوٹی نیکی وبھلائی اور حقیر سے حقیر معمولی سے معمولی بدی وگناہ، اللہ تعالیٰ سب جانتا ہے۔ کوئی چیز اس سے مخفی اور پوشیدہ نہیں ہے۔ وہ قیامت کے دن ہر بڑی سے بڑی، چھوٹی سے چھوٹی نیکی اور بڑے سے بڑے، چھوٹے سے چھوٹے گناہ سب کو قیامت کے دن لائے گا۔ اور بندوں کے سامنے میزان قیامت میں رکھ دے گا۔ وہ سب سے باخبر ہے اور ہر چیز کو دیکھ رہا ہے۔

انصاف کی ترازو

اللہ عزوجل سورۂ انبیا کی آیت (۴۷) میں فرماتا ہے: **وَنَضَعُ الْمَوَازِيْنَ الْقِسْطَ لِيَوْمِ الْقِيٰمَةِ فَلَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْئًا وَاِنْ كَانَ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ اَتَيْنَا بِهَا وَكَفٰى بِنَا حٰسِبِيْنَ۔**

ہم قیامت کے دن عدل وانصاف کے ترازو رکھیں گے تو کسی جان پر رتی بھر ظلم نہیں کیا جائے گا۔ اور اگر نیکی وبدی رائی کے دانے کے برابر ہوگی تو ہم اسے لے آئیں گے اور ہم حساب کے لئے کافی ہیں۔ (پارہ:۱۷)

اور سورۂ ملک میں تو یہاں تک فرماتا ہے:

وَ اَسِرُّوْا قَوْلَكُمْ اَوِ اجْهَرُوْا بِهٖ اِنَّهٗ عَلِيْمٌ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ * اَلَا يَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ وَهُوَ اللَّطِيْفُ الْخَبِيْرُ۔ (پ:۲۹۔الملک:۱۴۔۱۳)

ترجمہ: اورتم اپنی بات پوشیدہ طور پر کہو یا اعلانیہ، بیشک وہ دلوں کے بھید جانتا ہے۔خبردار! وہ اپنی مخلوق کو جانتا ہے۔اور وہی ہے باریک سے باریک چیز کا علم رکھنے والا خبردار۔

اس طرح کی دلوں کو بیدار کرنے والی آیتوں کو سامنے رکھئے پھر حضرت لقمان کی یہ وصیت پڑھئے۔

اولاد کی روحانی تربیت

حضرت لقمان نے اپنی قلبی، ایمانی اور تربیت والی وصیت کا آغاز ایسے کلمہ سے فرمایا، جو شفقت ومحبت اور مروت ورأفت سے دلوں کو قریب کرنے والا، مخاطب کو آگے آنے والی وصیت ونصیحت کے سننے اور سمجھنے پر آمادہ کرنے والا اور آنے والی بات کی اہمیت کو ظاہر کرنے والا ہے۔ وہ ہے (**یا بُنَیَّ**) اے میرے بیٹے۔ وصیت کے اس ٹکڑے میں وہ اپنے لختِ جگر نور نظر کی توجہ ایک ایسے نکتہ کی طرف کرنے جارہے ہیں، جس پر ان کے بیٹے کی روحانی اور قلبی زندگی کی تربیت اور دل وضمیر کی بیداری موقوف ہے۔ انھوں نے یہ خیال نہیں کیا کہ ابھی وہ چھوٹا ہے، ان لطیف اور روحانی معانی کو نہیں سمجھے گا۔ جیسا کہ ہمارے معاشرہ میں جب ننھے منے چھوٹے بچوں کو کوئی نصیحت کی جاتی ہے، تو بعض نادان لوگ کہتے ہیں کہ چھوڑو ابھی چھوٹا ہے، بڑے ہوکر خود صحیح ہوجائے گا۔ کتنی نادانی و بیوقوفی پر مبنی ہے یہ جملہ کہ بڑے ہوکر خود صحیح ہوجائے گا۔

صالحین کی پرورش

اولیا وصالحین تک نے اپنی اولاد کی تعلیم وتربیت، روحانی پرورش اور قلبی بیداری کے لئے ان کے بچپن ہی میں جد وجہد اور کوششیں کی ہیں۔ تاریخ میں اس طرح کے ہزاروں واقعات موجود ہیں۔ سرکار حسنین کریمین سے لیکر غوث پاک، غریب نواز، بابا فرید الدین گنج شکر، نظام الدین اولیا، صابر پاک اور اعلیٰ حضرت (رضی اللہ عنہم اجمعین) تک ایسے ہزاروں بزرگ ملیں گے، جن کے ماں باپ بزرگ اور خود وہ پیدائشی ولی، اس کے باوجود ان کے ماں باپ نے ان کی روحانی تربیت، قلبی بیداری اور ان کے دلوں میں خشیت الٰہی اور خوف خدا پیدا کرنے کے لئے جو جد وجہد اور کوششیں کی ہیں، اس چھوٹی سی کتاب کے اوراق ان کو ذکر کرنے کی اجازت نہیں دیتے، ورنہ میں ضرور کچھ واقعات ذکر کرتا۔ لیکن ہمارے بزرگوں کے کچھ واقعات ایسے ہیں جو زبان زدِ عوام وخواص ہیں۔

مختصر واقعات

جیسا کہ حضرت سیدنا غوث اعظم بڑے پیر صاحب کی والدۂ ماجدہ نے سفر بغداد پر روانہ کرتے ہوئے آپ کو جھوٹ نہ بولنے کی وصیت فرمائی۔ اور اس کا نتیجہ اس سفر میں بہت سے لوگوں کی توبہ کی صورت میں ظاہر ہوا۔

ایسے ہی حضرت بابا فرید الدین کی والدہ نے شکر کا لالچ دے کر نماز کا پابند اور عادی بنایا۔ اور حضرت نظام الدین اولیا جب ننھی سی عمر میں بدایوں میں ابتدائی تعلیم کے دور سے گزر رہے تھے، تو آپ کی والدہ نے آپ کو مختصر توشہ

دے کر چالیس چالیس دن کے چلے اور وظیفے کروا کر کس طرح ان کے اندر قلبی
بیداری، خدا ترسی اور روحانی تربیت پر کوششیں صرف کیں، اور بچپن ہی میں
اپنے بیٹے کو ان کے خالق و مالک رب کریم کا اس طرح سے تعارف کرایا کہ ان کا
دل خوف وخشیت الٰہی سے معمور ہو گیا۔ اور وہ جان گئے کہ میرا خالق و مالک وہ
علیم ولطیف وخبیر ہے، جس سے کائنات کا کوئی بھی کمتر سے کمتر ذرہ بھی مخفی اور
پوشیدہ نہیں ہے۔ وہ ہر حال میں اور ہر جگہ اپنے بندوں کی ہر چیز اور ان کے ہر قول
وفعل جانتا ہے۔ زمینوں کے نیچے، آسمانوں کے اوپر اور مضبوط پہاڑوں اور
چٹانوں کے اندر باریک سے باریک چیز دیکھ رہا ہے۔

غرضیکہ انھوں نے اِس تربیت وتعلیم سے ان کے دلوں میں یہ تصور قائم کر دیا
کہ، ''خدا دیکھ رہا ہے''۔ اپنی اولاد کو یہ کہہ کر نہیں چھوڑا کہ ابھی چھوٹے ہیں،
معارف وحقائق اور دقیق روحانی معانی کو سمجھنے کی ان کی عمر نہیں ہے۔

مراقبہ: زمانۂ ماضی میں اولیاء اللہ اپنی خانقاہوں میں اپنے مریدین و
طالبین کو جو مراقبے اور مجاہدے کرایا کرتے تھے، ان کا بھی یہی مقصد ہوتا تھا۔

اِنَّ اللّٰہَ عَلَیۡکُمۡ رَقِیۡبًا ۔ (پ:۴-النسا:۱)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ (ہمارا) تمہارا (سب کا) رقیب ومحافظ ہے۔

یعنی ہمارے تمہارے اعمال واقوال میں سے کوئی بھی عمل یا بات اس سے
چھپی نہیں ہے۔ سب کچھ اس کے علم میں ہے۔

اندر کا استاد

اب اگر ہمارے گھروں میں ہمارے ماں باپ اپنی اولاد کی تعلیم وتربیت

میں اس طرح کوشش کریں کہ، ان کے اندر بجائے خارجی خوف کے داخلی اور قلبی
خوف پیدا ہو جائے، تو اللہ تعالیٰ کے حکم سے وہ تمام لغزشوں، برائیوں اور
نافرمانیوں سے بچ جائیں گے۔ اور جو ان کے اندر قلبی بیداری پیدا کی جائے گی،
وہی سب سے بڑا معلم اور استاذ ثابت ہوگا۔ وہ داخلی استاذ ومعلم ہر جگہ ان کے
ضمیر کو جھنجھوڑ کر انہیں برائیوں سے بچائے گا۔ اب انہیں رات دن ماں باپ کی
نگرانی، استاذ ومعلم کی نگہبانی یا حکومت کی پاسبانی کی ضرورت نہیں۔ کیونکہ ان
کے ضمیر اور قلب کی بیداری ان کی زندگی کی گاڑی کی مشین ۔نفس اور دماغ۔ کو کسی
بھی غلط جگہ جانے پر بریک کا کام کرے گی۔

دل کا رابطہ

اب میں آج کل کے استاذ اور ماں باپ سے پوچھنا چاہتا ہوں: آج کی اس
نئی نسل کے دلوں میں استاذ یا ماں باپ کا خوف زیادہ مفید ثابت ہوگا یا خالق
و مالک مولیٰ کریم کا خوف پیدا کرنا زیادہ مفید ہوگا؟ ظاہر بات ہے ہر عقلمند آدمی
کہے گا کہ خدا کا خوف زیادہ مفید ثابت ہوگا۔ کمپیوٹر وانٹرنیٹ کی پروردہ آج کی نئی
نسل کے دلوں کو خدا کے خوف سے باندھ دیا جائے۔ اور اللہ تعالیٰ سے ان کا پورا
قلبی رابطہ کر دیا جائے۔ ماں باپ، استاذ یا حکومت کے خوف اور خالق و مالک
کے خوف کے بیچ بہت بڑا فرق ہے۔ ماں باپ یا سماج کے افراد یا حکومت کے
کارندے جب تک انسان کے سامنے موجود رہیں گے، وہ گناہ ومعصیت اور
گندگیوں سے بچے گا لیکن جب وہ لوگ نہیں ہوں گے، تو وہ یقیناً ان برائیوں کا
ارتکاب کرے گا۔ کیونکہ اس کو خارجی خوف کی تعلیم دی گئی ہے۔ داخلی تربیت اور

باطنی تعلیم سے اسکو محروم رکھا گیا ہے۔ اور اگر یہی باطنی خوف اور روحانی تربیت اسے
دی جاتی، تو یقینی طور پر وہ ہر جگہ، ہر مقام اور ہر زمانے میں ہر وقت اللہ تعالیٰ سے ڈرتا
اور اس کے دل میں یہ تصور ہر وقت قائم رہتا کہ خدا دیکھ رہا ہے۔ خاص طور سے آج
یہ ملٹی میڈیا یا موبائل جن میں دنیا کی ہر گندگی موجود ہے۔ بند کمرے میں یا لحاف
و چادر کے اندر آج کی اس نئی نسل کو اس گندگی سے نہ ماں بچا سکتی ہے نہ باپ، نہ
استاذ، نہ حکومت۔ اگر کوئی بچا سکتا ہے تو صرف یہی داخلی استاذ ''قلب کی بیداری''۔

حدیث خوف

اب ہم اس چیز کو اور واضح کرنے کے لئے بخاری و مسلم شریف کی وہ حدیث
بیان کر رہے ہیں، جسے ''حدیثِ اصحابُ الغار'' کہا جاتا ہے۔ اس میں تین
حضرات کے اخلاص اور اللہ تعالیٰ کی رضا و خوشنودی کیلئے کئے گئے عمل کو ایک غار
میں مصیبت کے وقت وسیلہ اور دہائی کیلئے پیش کیا گیا تھا۔ جس کے نتیجہ میں ان
کے اخلاصِ عمل کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے ان کو اس مصیبت سے
نجات عطا فرمائی تھی۔ اس حدیث کو غور سے پڑھئے اور دیکھئے اس میں خوف و
خشیت اور اخلاصِ عمل کے کیسے کیسے خوشبودار پھول مہک رہے ہیں۔ میں اس بڑی
حدیث کے ایک حصہ کو بیان کر رہا ہوں۔ ان میں سے ایک صاحب نے اپنے
اخلاص اور قلبی خوف وخشیت کا واسطہ دیتے ہوئے دعا میں یوں عرض کیا تھا:

اے میرے مالک و مولیٰ! میری ایک چچا زاد بہن تھی، میں اس سے بہت
زیادہ عشق و محبت کرتا تھا، جیسا کہ مردوں کو عورتوں سے لگاؤ ہوتا ہے۔ میں نے
اس سے قربت کا مطالبہ کیا، اس نے انکار کیا اور کہا: پہلے سو دینار لاؤ۔ میں نے

بہت محنت و مشقت سے سو دینار جمع کئے۔ اور میں (اپنی خواہش کو پورا کرنے کیلئے
) سو دینار لے کر اس کے پاس گیا۔ جب میں اس کے ساتھ بدکاری کرنے کے
لئے بیٹھا، تو یکلخت اس نے سرد آہ بھر کے کہا: اے اللہ کے بندے! اللہ تعالیٰ سے
ڈر اور ناجائز طریقہ سے مجھے حاصل مت کر۔ تو میں اسی وقت اس سے علیحدہ ہو
گیا۔ اور بخاری شریف کے الفاظ میں یہ ہے: حالانکہ وہ میرے نزدیک انسانوں
میں سب سے محبوب تھی۔ اور میں اس پر اپنی خواہش کو پورا کرنے کی قدرت پا کر
بھی اس سے علیحدہ ہو گیا۔ اور وہ سو دینار بھی میں نے اس کے پاس ہی چھوڑ
دیئے۔ مالک و مولیٰ! تو جانتا ہے میں فعلِ بد اور گناہ سے صرف تیری رضا کے لئے
باز رہا، تو تو اس عمل کے بدلہ ہمارے لئے اس غار کو کھول دے۔ (بخاری و مسلم)

شہوت کا بھوت مار دیا

اے میری قوم کے نوجوان بچو! بچیو! وہ کون سی چیز تھی، جس نے سخت محتاجی
کے باوجود اور تنہائی میں بدکاری پر قدرت حاصل ہو جانے کے بعد بھی اُس
عورت کے قلب کو بیدار کر دیا؟ وہ کونسی روشنی تھی، جس نے اسے دوزخ کی
تاریکیوں میں پہنچانے والے گناہ سے بچا لیا؟ اور وہ کون سی زمینی یا آسمانی طاقت
تھی، جس نے اس مرد کو۔ جس پر شہوت و خواہش کا ایسا بھوت سوار تھا جس کے
لئے اس نے مہینوں محنت و مشقت کر کے مطالبے کا مال حاصل کیا اور جب اپنی
اس ناجائز شہوت کو پورا کرنے کے لئے بیٹھا، تو کوئی دوسرا زمین پر روکنے والا نہیں
تھا اور تکمیلِ شہوت کے بالکل قریب پہنچ چکا تھا۔ کس چیز نے جھنجھوڑ دیا؟ کس نے
اس کو روک دیا؟ کس نے اس کو دوزخ میں لے جانے والے گناہِ عظیم سے بچا

لیا؟ تو جواب میں یہی کہا جائے گا کہ حدیث کے کلمات نشاندہی کرتے ہیں: تعظیم الٰہی، خدائی عظمت، خشیتِ ربانی اور ان کے دل و دماغ پر بیٹھے تصور ''خدا دیکھ رہا ہے'' نے انہیں اس سے بچالیا۔ وہ دونوں مرد و عورت نہیں چاہتے تھے کہ ان کا مالک و مولیٰ اس کو ناجائز حالت میں دیکھے۔

کیا ضمیر مردہ ہے؟

اِس واقعہ سے ہمارے وہ نوجوان بچے، بچیاں اور مرد و عورت عبرت حاصل کریں، جو تفریح گاہوں میں جاتے ہیں اور زنا کی طرف بلانے والی ناجائز و حرام، فحش اور قبیح حرکات کرتے ہیں۔ وہ نوجوان بچے بچیاں جو ملٹی میڈیا موبائل پر رات کی تاریکیوں میں اپنی خلوتوں اور اپنے بستروں کے اندر فحش اور عریاں تصویروں سے اپنے ان دلوں کو ویران و برباد کر رہے ہیں، جن کو خدا نے محض اپنی یادوں کے لئے پیدا کیا ہے۔ کیا ان کے دل اس تصور سے خالی نہیں ہیں؟ یقیناً ان کے دل اور ضمیر مردہ ہیں۔ اور وہ اس تصور سے محروم کر دئے گئے ہیں۔

حضرت لقمان نے وصیتِ اخلاص کیوں کی؟

حضرت لقمان کے بیٹے نے اپنے والد سے کہا: ابا جان! اگر میں گناہ ایسی جگہ کروں جہاں مجھے کوئی نہ دیکھ رہا ہو، تو اللہ تعالیٰ کیسے جان لے گا؟ حضرت لقمان نے جواب دیا: بیٹے! وہ گناہ اگر رائی کے دانے کے برابر یا اس سے بھی کمتر ہو اور مضبوط سے مضبوط چٹان میں کیا جائے یا زمینوں کی تہ میں، اللہ تعالیٰ قیامت میں اسے بھی لے آئے گا اور اس کا حساب لے گا۔

اللہ تعالیٰ علیم و خبیر ہے

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فَمَنۡ يَّعۡمَلۡ مِثۡقَالَ ذَرَّةٍ خَيۡرًا يَّرَهٗ وَمَنۡ يَّعۡمَلۡ مِثۡقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ۔

ترجمہ: جس نے ذرہ بھر بھی نیکی یا بھلائی کی ہوگی، اسے دیکھے گا۔ (یعنی اس کا ثواب پائے گا۔) اور جس نے ذرہ بھر برائی کی ہوگی اس کو بھی دیکھے گا۔ (یعنی اس کی سزا پائے گا۔) (پ:۳۰-الزلزال:۸-۷)

مطلب یہ ہے کہ انسان پوشیدہ سے پوشیدہ اور محفوظ سے محفوظ جگہ پر چھوٹے سے چھوٹا اور حقیر سے حقیر گناہ کرے اور یہ گمان کرے کہ وہ پوشیدہ رہے گا، تو اس کا یہ گمان، گمانِ فاسد ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ علیم و خبیر ہے۔ اس کا علمِ اَزَلی کائنات کے ذرہ ذرہ کو محیط ہے۔ بڑی بڑی، ظاہر و باہر اور قریب کی اشیا کی کیا بات کرنا، وہاں تو چھوٹی سے چھوٹی، پوشیدہ سے پوشیدہ اور دور سے دور جگہوں کی چیزیں بھی عیاں و روشن ہیں۔ (حالانکہ اس کے علم ازلی کے لئے دور و نزدیک یکساں ہیں۔) وہ سخت تاریک رات میں انتہائی سیاہ پہاڑ پر رینگنے والی اس سخت کالی چیونٹی کو بھی ایسے ہی جانتا اور دیکھتا ہے، جیسے کہ دوپہر کے سورج کی روشنی میں بڑے سے سفید گنبد کو۔

انسان کو خدا خوف نہیں

یہ شان ہے خالقِ کائنات کے علمِ وسیع کی۔ اور یہ عالم ہے اس کی عظیم قدرتوں کا۔ اور ایسا ہونا بھی چاہئے، کیونکہ وہ عالم الغیب والشہادۃ اور قادر علی

الا طلاق ہے۔مگر افسوس انسان کس قدر جاہل اور نادان ہے۔مولیٰ کریم کے علمِ وسیع اور قدرتِ عظیمہ کو جاننے کے باوجود وہ لوگوں کی نگاہ کو اللہ تعالیٰ کے دیکھنے سے بڑا سمجھتا ہے۔اسی وجہ سے وہ لوگوں سے تو ڈر رہا ہے اور ان سے چھپ کر گناہ کر رہا ہے۔لیکن خداوند قدوس کا اسے کوئی خوف نہیں۔لوگوں سے تو شرم کرتا ہے،مگر مولیٰ کریم عظیم کی نگاہ سے شرماتا۔افسوس اس کی نادانی پر!

کسی بھی گناہ کو چھوٹا مت سمجھ

اولیائے کرام فرماتے ہیں: گناہ کے صغر اور چھوٹے پن کو مت دیکھ، بلکہ گناہ کے ارتکاب سے پہلے اس بات پر غور کر کہ تو نافرمانی کس کی کر رہا ہے؟

حدیث پاک میں آیا ہے: انسان کو چھوٹی سے چھوٹی نیکی کو چھوٹا سمجھ کر چھوڑنا نہیں چاہیے اور چھوٹے سے چھوٹا گناہ کو چھوٹا سمجھ کر کرنا نہیں چاہیے۔

خدا سے شرم کر پیارے

ترمذی کی حدیث ہے: رسولِ خدا ﷺ نے اپنے صحابہ سے فرمایا: تم اللہ تعالیٰ سے ایسی حیا کرو جیسا کہ اس کا حق ہے۔صحابہ بولے: الحمدللہ! ہم تو حیا کرتے ہیں۔تو سرکار ﷺ نے فرمایا: یہ حیا نہیں ہے، بلکہ اللہ تعالیٰ سے حقیقی حیا یہ ہے کہ تم سر اور سر میں جو حیا کرنے والے اعضا ہیں، ان کی حفاظت کرو۔یعنی آنکھ، منھ، زبان اور کان وغیرہ کو گناہ سے محفوظ رکھو۔پیٹ، قلب اور شرمگاہ وغیرہ کی حرام و ناجائز سے حفاظت کرو۔اور موت اور موت کے بعد قبر میں گلنے سڑنے کو یاد کرو۔تو جس نے یہ سب کام بحسن وخوبی انجام دیئے، اسی نے اللہ تعالیٰ سے صحیح حیا کی۔(عمدۃ القاری)

مقامِ عرفان

اور صحیح بات یہ ہے کہ، اللہ تعالیٰ نے اپنے بندہ کو جس کام سے منع فرمایا ہے، وہ اسے اس حالت اور اس کام میں مبتلا نہ دیکھے۔یہ ہے اللہ تعالیٰ سے حقیقی حیا۔ لیکن یہ مقامِ عرفان ہے۔جسے خداوند قدوس کی معرفت اور حالت مراقبہ حاصل ہو چکی ہو، وہی ایسا کر سکتا ہے۔جیسا کہ حدیثِ جبرئیل میں جب حضرت جبرئیل علیہ السلام نے احسان واخلاص کے بارے میں اللہ پاک کے حبیب ﷺ سے سوال کیا، تو آقا ﷺ نے ارشاد فرمایا:

اَنْ تَعْبُدَ اللّٰهَ كَاَنَّكَ تَرَاهُ وَ اِنْ لَمْ تَكُنْ تَرَاهُ فَاِنَّهٗ يَرَاكَ

(بخاری) تم اللہ تعالیٰ کی بندگی اس طرح کرو، گویا تم اللہ تعالیٰ کو دیکھ رہے ہو۔ (یہ مقام مشاہدہ ہے) اور اس کو نہیں دیکھ سکتے ہو (یعنی مقام مشاہدہ حاصل نہیں ہے) تو اتنا تو دھیان جما لو کہ وہ تمہیں دیکھ رہا ہے۔(یہ مقام مراقبہ ہے۔)

مقامِ مراقبہ

ایک مومن بندہ کو یہ مقام حاصل کرنے کی جدوجہد بھی کرنا چاہیے۔صوفیائے کرام اپنے مریدین کے اندر یہی کیفیت پیدا کرنے کیلئے اپنی خانقاہوں میں چلہ گاہوں کے اندر ان سے طرح طرح کی عبادت و ریاضت کرایا کرتے تھے۔اور جب بندہ کو مقامِ مراقبہ حاصل ہو جاتا ہے، تو وہ خانقاہ و مسجد میں ہو یا بازار و مارکیٹ میں، اس کے ذہن وفکر پر ہر وقت یہی غالب رہتا ہے کہ ”خدا دیکھ رہا ہے“۔اب اس کی عبادت و ریاضت، اس کے رکوع وسجود، اور اس کی تلاوت و ذکر سب اسی تصور کے

ساتھ ادا ہوتے ہیں کہ، خدا دیکھ رہا ہے۔ وہ پورے شرائط وارکان، سنن ومستحبات اور
آداب محبت وعظمت کے ساتھ قبولیت کی امید سے عبادت ادا کرتا ہے۔ بازار و
مارکیٹ میں امورِ ملازمت ونوکری میں اسی تصور کے ساتھ اپنا وقت پورا کرتا ہے کہ،
خدا دیکھ رہا ہے۔ تجارت میں جھوٹ اور خیانت نہیں کرتا ہے۔ ملازمت ونوکری میں
وقت اور ٹائم کی چوری نہیں کرتا ہے۔ معاملات اور لین دین میں کمی وبیشی اور ملاوٹ
نہیں کرتا ہے۔ کیونکہ وہ جانتا ہے کہ ”خدا دیکھ رہا ہے“۔ وہ اپنے اندر یہ ملکہ اور اسپرٹ
پیدا کر چکا ہے کہ، میرا مولیٰ کریم مجھے ممنوع اور ناجائز حالت میں نہ دیکھے۔

یاد رکھنے کی بات

ابھی آپ نے سورہ انعام کی آیت نمبر (۵۹) کے حوالہ سے اللہ تعالیٰ کے علم کی
وسعت ملاحظہ کی کہ: بحر و بر، خشک وتر، بلندی وپستی، ویرانہ وبستی، اور تاریکی وروشنی
میں کوئی ایسا ذرہ نہیں، جو اس کے علم اور اس کی کتابِ منیر میں نہ ہو۔ حضرت لقمان
نے اپنی وصیت میں پہلے اپنے بیٹے کو ایک چکنی چٹان کی طرف متوجہ کیا۔ پھر زمین
وآسمان کی وسعتوں کی طرف اپنے بیٹے کی نظر کو پھیر دیا اور یہ بتانا چاہا کہ اللہ تعالیٰ
کے علم کی وسعتیں اس اس چھوٹی سے چٹان سے لیکر وسیع زمین وآسمان کو گھیرے
ہوئے ہیں۔ اور کوئی بھی ذرہ اس کے علم سے باہر نہیں۔ انہوں نے اپنی وصیت میں
بڑی چیزوں کی طرف نظر پہونچانے کے لئے چھوٹی چیزوں کو ذریعہ بنایا۔

کہاں بھاگ سکتا ہے انسان

آج ہم بھی اپنی نئی نسل کے دلوں میں اللہ تعالیٰ کا خوف، اس کی عزت

وعظمت اور قدر ومنزلت پیدا کرنے کے لئے یہ طریقہ اپنا سکتے ہیں۔ کہ چھوٹی
چھوٹی چیزوں کی طرف نظر وتوجہ کرکے بڑی بڑی چیزوں کی طرف پھیر کے لے
جاسکتے ہیں۔ اور انہیں یہ بتائیں کہ اللہ تعالیٰ کے علم وقدرت کا قبضہ زمین وآسمان
کی وسعتوں پر ہے۔ ان مضبوط اور اونچے اونچے پہاڑوں اور زمین کی چھوٹی
سے چھوٹی چیز سے لیکر آسمان کی بڑی سے بڑی چیز تک اس کی حکومت، اس کے
اس کے قہر اور اس کے غلبہ وقوت سے باہر نہیں۔ تو پھر کوئی انسان اس کی نافرمانی
کرکے کیسے اور کہاں بھاگ سکتا ہے؟

اور آج سائنس وٹکنالوجی کے اس دور میں کل کائنات پر اس کے قبضہ و
قدرت کو ثابت کرنا اور دلوں میں بٹھانا تو اور بھی آسان ہے۔ بچوں کو موبائل دکھا
کر بتائیں کہ: بچو! دیکھو اس معمولی سے مادی آلہ میں پوری دنیا سمٹ کر آگئی
ہے۔ دنیا کی ہر چیز اس آلہ میں موجود ومحفوظ ہے۔ جبکہ اس کو انسان نے بنایا
ہے۔ تو جس خالق ومالک نے انسان اور اس کائنات کو پیدا فرمایا ہے، اس کے علم
وقدرت سے کوئی چیز یا کوئی ذرہ یا کسی کے حرکات وسکنات اور قول وفعل کیسے
پوشیدہ رہ سکتے ہیں؟

علم کی کمی نہیں

بات کیا ہے؟ بات درحقیقت یہ ہے کہ: آج اس جدید دنیا میں ہمارے علم و
معلومات یا علم کے ذرائع کی کوئی کمی نہیں ہے، اگر کمی ہے تو ہمارے دلوں میں
مولیٰ تعالیٰ کے خوف وہیبت اور اور اس کی عظمت وبزرگی کی ضرور کمی ہے۔ کتابیں
ہیں... ادارے ہیں... لائبریریاں ہیں... درسگاہیں ہیں... اگر نہیں

ہیں تو....خوف وخشیت والے دل نہیں ہیں۔ خالق و مالک کا خوف و دبدبہ اور اس کے جلال وقدرت کا ڈر نہ ہمارے دلوں میں ہے اور نہ ہی نئی نسل کے دلوں میں پیدا کیا گیا۔ اب سوال یہ ہے کہ یہ پیدا کیسے ہو؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ جن کے دل خوف وخشیت سے لبریز ہوں ان کی صحبت اختیار کی جائے۔ دلوں میں خشیتِ ربانی کتابیں پڑھنے یا موبائل و انٹرنیٹ کے ذریعہ علم کا ذخیرہ اکھٹا کرنے سے پیدا نہیں ہوتی، یہ تو بس صحبت ونظر سے پیدا ہوتی ہے۔

خوف وخشیّت کی ایک مثال

جب انسان کا دل اور اس کا ضمیر زندہ اور بیدار ہوتا ہے، تو وہ رات کی تاریکیوں اور چادر ولحاف میں بھی یہ کوشش کرتا ہے کہ، میرا مولیٰ مجھے ناجائز حالت میں نہ دیکھے۔

بیان کیا جاتا ہے: رات کی تنہائیوں میں ایک مرد نے ایک عورت سے خلوت کرنا چاہی، جب وہ اپنے برے ارادہ کو پورا کرنے کے لئے امادہ ہوا، تو اس نے اس عورت کو لرزاں وترساں اور ہیبت زدہ دیکھا، تو وہ مرد اس سے بولا: تم کس سے ڈر رہی ہو؟ یہاں تو میرے اور تمہارے علاوہ کوئی نہیں ہے۔ سوائے آسمان کے چمکتے ستاروں کے۔ تو اس زندہ ضمیر اور بیدار دل عورت کو فوراً خداوند قدوس کی عظمت و کبریائی کا خیال آیا اور اس کے اندر کا استاد بول اٹھا: اور ان ستاروں کو پیدا کرنے والا؟ انہیں روشنی دینے والا؟؟؟ اتنا سننا تھا، کہ وہ شہوت کا غلام مرد بھی اس آواز سے متنبہ ہوا اور اپنے برے ارادہ سے باز آیا۔

اللہ تعالیٰ کا دروازہ

جب انسان کے اندر کا واعظ ومعلم واستاذ زندہ اور بیدار ہو، تبھی وہ عزت بچاتا بھی ہے، دلاتا بھی ہے اور عزت بڑھاتا بھی ہے۔

کہا جاتا ہے کہ ایک مرد ایک عورت سے ایک گھر میں دروازہ بند کر کے خلوت نشین ہو گیا۔ جب اس عورت کو خوف وخشیت میں مبتلا پایا، تو بولا: کیوں ڈر رہی ہو، دروازے بند کر دئے گئے ہیں؟ تو وہ خدا ترس بندی بولی: اور اللہ تعالیٰ کا دروازہ؟

اور اللہ تعالیٰ کا دروازہ؟ یہ ایسا جملہ تھا، جو اس شہوت کے غلام کے دل پر فوراً اثر کر گیا۔ بات کیا ہے؟ بات یہ ہے کہ، اس عورت کے دل ودماغ میں یہ بیٹھا ہوا تھا کہ: ”خدا دیکھ رہا ہے“۔

ہمارے دیکھنے کو وہ دیکھ رہا ہے

حق یہی ہے کہ پہلے دلوں میں خدا کی تعظیم وہیبت بٹھائی جائے۔ جب یہ تعظیم وہیبت دلوں میں بیٹھ جاتی ہے، تو بندے کو مراقبہ اور دھیان کا مقام حاصل ہو جاتا ہے۔ اور جب مراقبہ کی حالت پیدا ہوتی ہے، تبھی اس کو دین وشریعت پر استقامت حاصل ہوتی ہے۔ کیونکہ وہ جان جاتا ہے کہ اس کا ہر عمل محفوظ ہے، گنا جا رہا ہے، شمار کیا جا رہا ہے۔ ہم اگر چہ بھول جاتے ہیں لیکن حقیقت یہی ہے کہ وہ بھلا یا نہیں جاتا۔ ہماری آنکھیں تو اللہ تعالیٰ کو نہیں دیکھ رہیں، لیکن ہماری آنکھیں کیا دیکھ رہی ہیں، وہ دیکھ رہا ہے۔ ہمارے کان کیا سن رہے ہیں، اسے بھی دیکھ رہا ہے۔ وہ خبیر بھی ہے علیم بھی اور لطیف بھی۔ وہ جس طرح ہمارے ظاہر کو دیکھ رہا ہے،

ہمارے باطن کو بھی دیکھ رہا ہے۔اس کی ہر خوبی اجل واعظم اوراعلیٰ ہے۔

جواب آیا خالق دیکھ رہا ہے

روضۃ المحبین نامی کتاب میں ہے، ایک شخص ایک جنگل میں داخل ہوا۔ اور بولا اگر میں اِس تنہائی کی جگہ میں گناہ کروں، تو مجھے کون دیکھے گا؟ اچانک اس نے ایسی سخت آواز سنی، جس سے جنگل کی وادی تھرا گئی۔ آواز یہ تھی: اَلَا یَعۡلَمُ مَنۡ خَلَقَ وَهُوَ اللَّطِيۡفُ الۡخَبِيۡرُ (کیا وہ بھی نہیں جانتا (دیکھ رہا ہے) جس نے پیدا کیا؟ اور وہ لطیف وخبیر ہے۔)

یعنی اللہ تعالیٰ کی ذات، اس کی وسعتِ علم، اس کی سلطنت اور قہر وقدرت سے عالم کی کوئی چیز باہر نہیں۔ وہ ایسا علیم وخبیر ہے کہ، دقیق سے دقیق باریک سے باریک چیزوں کو بھی جانتا ہے۔ حتیٰ کہ رات کی ظلمت وتاریکی میں سخت کالی چیونٹی کی رینگن کو بھی دیکھتا اور جانتا ہے۔ مخلوق کے تمام ظاہر و باطن سے آگاہ ہے اور ایک ایک چیز ایک ایک ذرہ کو اس کا علم محیط ہے۔

خوفِ خدا اور عام خوشخبری

روایت میں آیا ہے: جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہجرت کے بعد انصار ومہاجرین میں بھائی چارگی قائم فرمائی، تو۔ ایک انصاری اور ایک ثقفی مہاجر کو آپس میں بھائی بھائی بنا دیا۔ یہ دونوں اسلامی بھائی آپس میں اتنی محبت کرتے تھے کہ ایک دوسرے سے جدا نہیں ہوتے تھے۔ اتفاق سے ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کسی غزوہ میں تشریف لے گئے، تو ثقفی صحابی سرکار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ چلے گئے اور اپنے

انصاری بھائی کو اپنے گھر کی ذمہ داریاں دے گئے۔ وہ انصاری اپنے ثقفی بھائی کی تمام ضرورتیں پوری کرتے اور ایمانداری کے ساتھ نگرانی کرتے۔ ایک دن جب وہ آئے تو ان کی بیوی کو اس حال میں دیکھا کہ، وہ غسل کرنے کے بعد بال کھولے ہوئے بیٹھی تھیں۔ تو ان کے نفس میں کچھ پیدا ہوا، اور بلا اجازت ان کے پاس پہنچ گئے۔ قریب تھا کہ وہ نفس کی شر کی وجہ سے ان کے چہرہ کا بوسہ لیں۔ لیکن اُس پارسا خاتون نے چہرہ پر اپنی ہتھیلی رکھ لی۔ بس وہ ہاتھ کے ظاہری حصہ کا بوسہ لے کر ایک دم نادم وشرمندہ ہو کر لوٹے۔ وہ خاتون بولیں: سبحان اللہ! آپ نے اپنے مال میں خیانت کر دی اور اپنے مالک کی نافرمانی کی۔ وہ اپنے کئے پہ بہت شرمندہ تھے اور پہاڑوں میں گھومتے پھرتے روتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اپنے گناہ سے توبہ کرتے تھے۔ جب ان کے ثقفی بھائی غزوہ سے واپس آئے، تو ان کی بیوی نے سارا واقعہ اپنے شوہر کو سنایا۔ وہ ثقفی صحابی انہیں تلاش کرنے کے لئے نکلے، تو انہیں اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں سجدہ ریز پایا اور وہ سجدے میں عرض کرتے تھے: **رب ذنبی رب ذنبی** (اے میرے رب مجھ سے گناہ ہو گیا، مجھ سے گناہ ہو گیا) میں نے اپنے بھائی کی خیانت کی۔ تو ان کے ثقفی بھائی نے کہا: چلو اٹھو! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس چلتے ہیں اور سرکار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے آپ کے گناہ کے بارے میں پوچھیں گے۔ شاید اللہ تعالیٰ آپ کی توبہ کی راہ اور آسانی پیدا کر دے۔ وہ دونوں حضرات مدینہ آئے اور عصر کی نماز کے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوئے۔ ادھر حضرت جبرئیل علیہ السلام ان کی توبہ کے بارے میں سورۂ آل عمران کی یہ دو آیتیں (۱۳۶-۱۳۵) لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوئے:

وَالَّذِيۡنَ اِذَا فَعَلُوۡا فَاحِشَةً اَوۡ ظَلَمُوۡۤا اَنۡفُسَهُمۡ ذَكَرُوا اللّٰهَ

فَاسۡتَغۡفَرُوۡا لِذُنُوۡبِهِمۡ اِلٰى وَنِعۡمَ اَجۡرُ الۡعٰمِلِيۡنَ (پ: ۴-آل عمران)

ترجمہ: وہ لوگ جو کوئی برا کام کرلیں یا اپنی جانوں پر ظلم کر بیٹھیں اور انہیں خدا یاد آجائے، تو وہ اپنے گناہوں کی اس سے بخشش طلب کریں۔

وہاں سیدنا مولیٰ علی کرم اللہ وجہہ بھی موجود تھے، آپ نے عرض کی: سرکار ﷺ! یہ خاص نعمت توبہ نامہ اِنہیں انصاری صحابی کیلئے ہے یا عام لوگوں کے لئے بھی ہے؟ سرکار دو عالم ﷺ نے فرمایا: نہیں! بلکہ توبہ اور قبولیت توبہ (کی خوشخبری) تمام لوگوں کے لئے ہے۔ تو مولیٰ علی نے کہا: الحمدللہ رب العالمین۔

(عمدۃ القاری شرح بخاری)

صحبت کا اثر

سوال اس بات کا ہے کہ اُن انصاری صحابی کو گناہ سے کس نے روکا؟ وہ پارسا خاتون، جن کا شوہر کافی دنوں سے غائب تھا، انہیں شرم وحیا کا پیکر کس نے بنایا؟ اور اپنے شوہر کی امانت کی حفاظت اور خداوند قدوس کی شریعت اور اس کے حکم کی پابندی پر کس نے آمادہ کیا؟ تو جواب یہی آئے گا، کہ ان کے ضمیر زندہ اور دل خوف وخشیتِ خداوندی سے لبریز تھے، رسول اللہ ﷺ نے روحانی ماحول میں ان کی پاکیزہ تربیت فرمائی تھی اور صحبت رسول ﷺ کی برکت سے ان کے دل ودماغ میں یہ تصور ہر وقت قائم رہتا تھا: ''خدا دیکھ رہا ہے۔''

احسان واخلاص

اب ہم اس مفہوم کی کچھ وضاحت اُس حدیث سے کر رہے ہیں، جس کو ام

السنۃ، ام الحدیث اور حدیث جبرائیل بھی کہا جاتا ہے۔ جس میں حضرت جبریل علیہ السلام کے انسانی پیکر میں رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوکر ایمان، اسلام، احسان اور قیامت کے بارے میں کیئے گئے سوالات اور رسول اللہ ﷺ کے جوابات ہیں۔ انہیں چند سوالوں میں ایک سوال تھا: مَا الۡاِحۡسَانُ؟ (احسان کیا ہے؟) رسول پاک ﷺ نے جواب دیا:

اَنۡ تَعۡبُدَ اللّٰهَ كَاَنَّكَ تَرَاهُ فَاِنۡ لَّمۡ تَكُنۡ تَرَاهُ فَاِنَّهٗ يَرَاكَ۔

اللہ تعالیٰ کی عبادت وبندگی اس طرح کرو گویا تم اسے دیکھ رہے ہو۔ اور اگر یہ نہ کر سکتے ہو، تو یہ تصور قائم کرلو کہ وہ تمہیں دیکھ رہا ہے۔

جب نوکر مالک کے سامنے ہو

اس حدیث میں (اَنۡ تَعۡبُدَ اللّٰهَ) کا ترجمہ اگر ہم (اَنۡ تَخۡشَى اللّٰهَ) سے کریں، تو جو بات ہم بتانا چاہتے ہیں وہ اور واضح ہوجائے گی۔ (اَنۡ تَخۡشَى اللّٰهَ) کا مطلب ہوا کہ، تم اللہ سے ایسے ڈرو جیسے کہ تم اسے دیکھ رہے ہو۔ ظاہر بات ہے، جب ایک غلام ایک نوکر مالک کے سامنے ہو اور مالک اس کو دیکھ رہا ہو اور وہ مالک کو دیکھ رہا ہو، تو غلام مالک کا کام اور مالک کی خدمت بہتر سے بہتر طریقہ سے ادا کرنے کی کوشش کرے گا۔ تاکہ مالک اس سے خوش رہے، ناراض نہ ہوجائے۔ اور اگر وہ مالک کو نہیں دیکھ رہا، لیکن اس کا یقین ہے کہ مالک اسے دیکھ رہا ہے، جب بھی وہ کام میں کسی طرح کی کوتاہی وکمی نہیں کرے گا۔ اس خوف سے کہ کہیں اس کی یہ خدمت رد نہ کردی جائے اور اسے اجرت ومزدوری سے محروم نہ کردیا جائے۔ اس کی تائید عمارہ ابن قعقاع کی روایت سے بھی ہوتی

ہے۔ جیسا کہ عمدۃ القاری میں اس حدیث کی شرح فرمائی ہے۔

اس حدیث میں جو لفظ ''احسان'' آیا ہے، اس کا ایک معنی ہے: کام کو بہتر طور پر یا مکمل طور پر کرنا۔ جیسا کہ حدیث میں ہے۔ اور محدثین کرام اس کا ایک معنیٰ ''اخلاص'' بھی بیان کرتے ہیں۔

ظاہر بات ہے کوئی بھی عبادت وطاعت ہو جب تک اس میں دیگر شرائط و آداب کے ساتھ اخلاص نہ ہو، وہ اعلیٰ و بہتر ہو کر قبولیت کے درجہ کو نہیں پہنچ سکتی۔

احسان کے اس دوسرے معنی کے اعتبار سے حدیث کا مطلب یہ ہوا کہ عبادت مضبوط اور پائدار طریقہ سے اللہ تعالیٰ کے حقوق کی رعایت کرتے ہوئے حضور قلب کے ساتھ کی جائے۔ اور یہ اسی وقت ممکن ہے جب بندہ کے دل میں یہ تصور قائم ہو کہ وہ جس کی بھی عبادت و بندگی کر رہا ہے وہ اسے دیکھ رہا ہے۔

عالم ظاہر میں تین چیزیں

ہر کلمہ پڑھنے والا اپنے مالک کی طرف سے چند چیزوں کا پابند ہے۔

(۱) اس کی طاعت وعبادت بحسن وخوبی بجالائے۔

(۲) جائز ومباح زندگی گزارنے کی چیزوں کو اس طرح استعمال کرے کہ ان کی وجہ سے نعمتیں دینے والے اپنے خالق ومالک سے غافل نہ ہو۔

(۳) اپنے مالک کی نافرمانی اور گناہوں سے بچے اور اس کی حدوں کو نہ توڑے۔

پہلا درجہ: طاعت وبندگی

جب ہم اپنے مولیٰ کی عبادت وبندگی کریں۔ خواہ نماز ادا کر کے، روزہ رکھ

کے یا دین کے کسی اور فرض وواجب وسنت وغیرہ کو ادا کر کے۔ تو ہم یہ تصور قائم کریں اور یقین سے جان لیں کہ، اللہ تعالیٰ ہمارا خالق ومالک اور معبودِ برحق ہے۔ وہ یقینی طور پر ہمیں اور ہمارے اعمال کو دیکھ رہا ہے۔ اگر کوئی زندیق یا اس کا منکر ہے اسے ماننا ہی نہیں ہے، اس کی بات الگ ہے۔ لیکن جو اس کے وجود کا معترف واقراری ہے اور یقیناً جس نے لا الہ الا اللہ پڑھا ہے، وہ اس بات کو مانتا ہے۔ اب اگر وہ مومن اس کی اطاعت وبندگی ترک کرتا ہے یا اس میں کسی طرح کی کوتاہی کرتا ہے، تو اس لئے نہیں کہ وہ منکر یا زندیق یا بے دین ہے، بلکہ یہ ترک یا کوتاہی اور بحسن خوبی ادا نہ کرنا تہاوناً اور سستی وکاہلی کی وجہ سے ہے۔ اور یہ سستی وکاہلی اس وجہ سے ہے کہ: اسے بُرہانِ احسانی یعنی وہی تصور ویقین کہ خدا دیکھ رہا ہے، حاصل نہیں یا اس میں کمی ہے۔ جیسا کہ نمازوں کے ضائع کرنے والے، وقت پر نہ پڑھنے والے یا نماز کو اس کے آداب وشرائط سے اس کی صفت کاملہ کے ساتھ بدرجۂ کمال ادا نہ کرنے والے، روزہ نہ رکھنے والے یا زکوٰۃ نہ دینے والے۔ اور یہ کوتاہی اور کاہلی صرف اس لئے ہوتی ہے کہ جس مالک ومولیٰ نے ان فرائض اور عبادات کا حکم دیا ہے، اس مالک ومولیٰ کی قدر وعظمت اور اس کے حکم کی اہمیت نہیں معلوم۔ مَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ (ہائے انہوں نے اپنے مالک ومولیٰ کی قدر ہی نہ جانی)

کاش! بُرہانِ احسانی حاصل ہوتی

اگر یہ نمازوں کو ضائع کرنے والے، وقت پر نہ پڑھنے والے، روزہ نہ رکھنے والے، زکوٰۃ نہ دینے والے اور اللہ تعالیٰ کے فرائض وواجبات علی الاعلان

ضائع اور ترک کرنے والے یہ جان لیتے کہ خدا دیکھ رہا ہے .....اگر انہیں بُرہانِ احسانی اور مقامِ مراقبہ حاصل ہوتا ۔یعنی: ان کے دل و دماغ میں یہ تصور قائم ہوتا ۔ کہ خدا دیکھ رہا ہے .....تو ایک بھی فرض و واجب ضائع و برباد نہ کرتے ۔ بلکہ ہر فرض و واجب وقت پر ادا کرتے ...سلیقہ سے ادا کرتے ...ادب و محبت اور خشوع وخضوع سے ادا کرتے ۔ مولیٰ کریم ہمیں اپنے حبیب ﷺ کے صدقہ برہانِ احسانی اور مقامِ مراقبہ عطا فرما۔

یہ تصور قائم کیسے ہوگا؟

سوال: مقامِ مراقبہ،عبادات میں حضورِ قلب یا برہانِ احسانی حاصل کیسے ہوگی؟ یعنی ''خدا ہمیں دیکھ رہا ہے'' کا تصور کیسے قائم ہوگا؟

جواب: دل کو عربی میں قلب کہتے ہیں۔عربی میں ق ل ب کا معنی ہوتا: ایک حالت سے دوسری حالت کی طرف پلٹنا۔اور دل کو قلب اس لئے کہتے ہیں، کہ وہ امور و معاملات میں الٹتا پلٹتا رہتا ہے۔ کسی نے اپنے عربی کے شعر میں یہی بات کچھ اس طرح کہی ہے: کہ دل کو اس کے الٹ پلٹ ہونے کی وجہ سے قلب کہتے ہیں۔تو تو قلب کی تحویل وتبدیلی اور اس کے الٹ پلٹ سے بچ۔

ہر شخص جانتا ہے کہ قلب و دماغ میں یکسوئی ہر وقت حاصل نہیں ہوتی۔یہی قلب و دماغ کے خیالات انسان کو کبھی بازار مارکیٹ کبھی گھر دکان ادھر ادھر لئے پھرتے ہیں۔حتیٰ کہ نماز جیسی عظیم عبادت میں بھی ایک جگہ اس کا دھیان جماؤ نہیں پاتا۔اسی لئے حدیث میں فرمایا گیا ہے:
جسم میں ایک گوشت کا لوتھڑا ہے، جب وہ صحیح و درست رہتا ہے،تو پورا جسم

درست رہتا ہے۔اور جب اس میں فساد وخرابی آتی ہے،تو پورا جسم فاسد وخراب ہوجاتا ہے۔خبردار! وہ دل ہے۔(بخاری شریف)

اس حدیث میں گوشت کے ایک چھوٹے سے لوتھڑے کی اصلاح پر جسم کے سارے اعضا کی درستگی کو موقوف بتایا گیا۔مطلب یہ کہ کل جسم کی اصلاح و درستگی دل کی اصلاح و درستگی کے تابع ہے۔اور کہا گیا ہے، کہ: دل سلطانِ بدن ہے اور باقی اعضا رعایا اور پبلک کی طرح۔اور جب بادشاہ درست ہوتا ہے تو رعایا بھی درست۔اور کتبِ طب میں بتایا گیا ہے کہ: انسانی نطفہ میں پہلا نطفہ قلب و دل کا ہی پڑتا ہے۔اس اعتبار سے بھی دل تمام اعضا کا سردار ہوا۔اس سے بھی ظاہر ہوا کہ پہلے اس کی اصلاح و درستگی کی ضرورت ہے۔اور اس کی حالت و خاصیت یہ ہے کہ ہر وقت لوٹ پلٹ ہوتا ہے، اس پر طرح طرح کے خَوَاطِر وخیالات ہر وقت وارد ہوتے رہتے یعنی آتے جاتے رہتے ہیں۔

اب انسان کو چاہئے کہ یکسوئی، جماؤ اور برہانِ احسانی (یعنی خدا دیکھ رہا ہے کا تصور قائم کرنے) کے لئے خود اپنی کوشش اور جدجہد بھی جاری رکھے۔ساتھ میں جو حضرات یہ مقامِ مراقبہ اور حضورِ قلب حاصل کر چکے ہیں، ان کی صحبت بھی اختیار کرے اور اپنی کوشش وجد جہد اور صحبتِ صالحین کے ساتھ ساتھ اللہ پاک مولیٰ کریم کی بارگاہ میں اس کیلئے شب و روز دعا بھی کرتا رہے جیسا کہ اللہ پاک کے حبیب، سراج السالکین، شمس العارفین، اخشع الخاشعین، سید الہادین ﷺ عالم امر اور عالم بالا میں اپنی آنکھوں سے اللہ تبارک وتعالیٰ کا دیدار کرنے کے باوجود، اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں یہ دعا کرتے تھے: یَا مُقَلِّبَ الْقُلُوْبِ! ثَبِّتْ قَلْبِیْ عَلٰی دِیْنِکَ۔

اے دلوں کو پھیرنے والے! میرے دل کو اپنے دین (یعنی اپنی طاعت و

بندگی) پر ثابت رکھ۔

جب ہم یہ تینوں کام (کوشش، صحبتِ صالحین و عارفین اور ساتھ میں متواتر مولیٰ کریم کی بارگاہ میں دعا) کریں گے، تب کہیں جا کر یہ مقامِ مراقبہ، حضورِ قلب اور ''خدا ہمیں دیکھ رہا ہے'' کا تصور قائم ہو سکتا ہے۔

خیال رہے!

ایک بات اور دھیان رہے کہ: یہ مقام انسان کو ہر وقت حاصل نہیں رہ سکتا، نہ یہ تصور ہر وقت قائم رہ سکتا ہے۔ کیونکہ اگر ہر وقت یہی تصور قائم رہے گا ''خدا دیکھ رہا ہے''، تو انسان دنیا کے کام، تلاش معاش اور زیر کفالت بیوی بچوں کی پرورش و تربیت کیسے کرے گا؟ تجارت و زراعت وغیرہ ذرائع معاش کیسے قائم رہ سکیں گے؟ چنانچہ ایک حدیث میں آیا ہے:

حضرت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ایک صحابی سے ملے تو انہیں غمگین و رنجیدہ پایا۔ آپ نے فرمایا: رنجیدہ کیوں ہو؟ انہوں نے عرض کی: میں تو منافق ہو گیا ہوں؟ آپ بولے: کیسے؟ وہ بولے: جب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں ہوتا ہوں، تو میرے دل کی کیفیت کچھ اور ہوتی ہے اور جب میں آپ کی مجلس و صحبت سے آتا ہوں تو بیوی بچوں میں الجھ جاتا ہوں۔ (اور وہ کیفیت ختم ہو جاتی ہے۔) تو حضرت ابوبکر صدیق نے فرمایا: یہ حال تو میرا بھی ہے۔ چلو ہم لوگ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں چلتے ہیں۔ سرکار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں پہنچے اور قصہ بیان کیا۔ حبیب خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تمہاری جو کیفیت میری مجلس و صحبت میں رہتی ہے اگر ہر وقت رہے تو عالم بالا سے بلا واسطہ تمہارے پاس سلام آنے لگے۔

اس حدیث سے پتہ چلا کہ تصور، دھیان اور حضور قلب ہر وقت حاصل نہیں رہ

سکتا لیکن انسان کو اس سے غافل بھی نہیں رہنا چاہئے۔ خاص طور سے عبادت و بندگی کے وقت اس سے بالکل غافل نہ رہے اور یہ کیفیت پیدا کرنے کی کوشش کرے۔

دوسرا درجہ: مباح و جائز چیزوں کا استعمال

اس دوسرے درجہ پر بھی انسان کو اگر وہ تصور حاصل ہے، تو وہ جائز و مباح چیزوں کے حاصل کرنے میں اعتدال اور مناسب طریقہ استعمال کرے گا۔ پہلے زندگی گزارنے کیلئے جن چیزوں کی انسان کو ضرورت ہے، مثلاً: لباس، خوراک، رہنے کو مکان وغیرہ ان کے حاصل کرنے میں وہی طریقے اور راستے اختیار کرے گا، جس کی اس کے خالق و مالک نے اجازت دی ہے۔ اور ناجائز و حرام ذریعوں کی طرف قدم نہیں بڑھائے گا۔ اور جائز و مباح حاصل کرنے میں بھی نہ وہ اپنے خالق و مالک سے غافل رہے گا اور نہ مباح کے حصول میں اس کے فرائض کو ترک کرے گا۔ پھر ان چیزوں کے استعمال میں سہو اور غفلت سے بھی کام نہیں لے گا۔ بلکہ ان نعمتوں کے دینے والے مولیٰ کو یاد رکھتے ہوئے حاصل کرے گا۔ کیونکہ جب بندہ کو یہ معلوم ہو جائے اور اس پر اسے یقین بھی حاصل ہو، کہ اس کا مولیٰ ان تمام چیزوں کے حاصل کرنے اور ان کو خرچ کرنے میں اسے دیکھ رہا ہے، اور اسے یہ بھی یقین ہو کہ اس کے مولیٰ نے اسے حکم دیا ہے، کہ میرے بندہ کی توجہ اور دھیان دنیا اور دنیا کی لذتوں سے زیادہ میری طرف رہے، تو وہ بندہ یقینی طور پر اس بات سے شرم کرے گا، کہ اس کا خالق و مالک اسے اپنے ذکر اور اپنی یادوں سے غافل، حقیر و ذلیل دنیا کی مٹنے والی چیزوں میں پھنسا ہوا یا ان میں منہمک و مشغول دیکھے۔ جیسا کہ آج کل عام طور سے دیکھا جا رہا ہے۔

خصوصاً شادی بیاہ یا دیگر سماجی تقریبات کے موقعہ پر لوگ فضول اور غیر ضروری کھانے پینے سے لیکر لہو ولعب اور نا جانے کتنی فضولیات میں مشغول ہوتے ہیں۔ اور ان نعمتوں کے دینے والے سے ایسے غافل ہوجاتے ہیں کہ اس کے احکام کی ایک ذرہ پرواہ نہیں کرتے۔ مولیٰ ہمیں اور ہماری قوم کو ہدایت عطا فرمائے۔

تیسرا درجہ: گناہ اور معصیت

تیسری چیز معصیت وگناہ، اس میں آج ہماری قوم کس قدر مبتلا ہے؟ اس کو بیان کرنے کی ضرورت نہیں۔ کہ عیاں را چہ بیاں (یعنی اس کو ہم کیا بیان کریں، جسے سب دیکھ رہے ہیں)

اگر آج مسلمان کو ذرا بھی بُرہان اور تھوڑا سا یقین حاصل ہوتا، تو جب وہ گناہ (چھوٹا ہو یا بڑا) کا ارادہ کرتا، تو اسے فوراً احساس ہوجاتا کہ: اس کا مالک و مولیٰ اسے دیکھ رہا ہے۔ اور اگر اسے اس بات کا یقین ہوتا کہ: میرا مولیٰ تو آنکھوں کی خیانت اور دلوں کے چھپے بھید کو جانتا ہے، تو ضرور وہ اس گناہ سے رکتا اور اس کے ارادہ کے بعد بھی واپس آجاتا۔ جیسا کہ ہم گذشتہ صفحات میں کئی واقعات بیان کرآئے ہیں کہ بہت سے لوگ گناہ کے قریب پہنچنے کے بعد بھی مولیٰ کے خوف سے واپس آگئے۔

جیسے اگر کسی بچہ کو معلوم ہوجائے کہ اس کے باپ یا استاذ یا سرپرست کوئی غلط کام کرتے وقت اسے دیکھ رہے ہیں، تو وہ فوراً اس سے رک جاتا ہے اور بھاگ جاتا ہے۔

لیکن ہوتا یہ ہے کہ انسان اس بات سے غافل ہوجاتا ہے کہ اس کے مولیٰ کی نظر اس کی طرف ہے۔ اور گناہ کے وقت اس بات کو بھول جاتا ہے کہ اس کا مالک ومولیٰ اسے دیکھ رہا ہے۔ یا وہ جاہل ہوتا ہے اور یہ گمان کرتا ہے کہ اس کا خالق ومالک تو اس سے دور ہے، تو وہ گناہ میں مبتلا ہوجاتا ہے۔

اور اگر انسان تنہائیوں میں گناہ سے باز نہیں آرہا ہے، تو اس کا مطلب یہی ہے کہ یا تو وہ بالکل اپنے مالک ومولیٰ کو بھولے ہوئے ہے، یا اس بات سے جاہل ہے کہ وہ اسے دیکھ رہا ہے۔ دونوں ہی چیزیں بہت خطرناک ہیں۔

یہ چند سطریں کیوں؟

اسی غفلت وجہالت کو دور کرنے کیلئے یہ چند سطریں کتابچے کی صورت میں آپ کے ہاتھوں میں دے رہے ہیں، تاکہ عبادت وبندگی کرنے والے اس شعور واحساس کے ساتھ بندگی کریں کہ ہمارا خدا ہمیں دیکھ رہا ہے۔ اس سے یقینی طور پر ان کی عبادت وبندگی فرائض وشرائط، آداب وسنن، خشوع وخضوع، سوز وگداز، حضورِ قلب اور اخلاص کے ساتھ ادا ہوگی۔ ایسے ہی آپ جائز ومباح رزق اور ذریعہ معاش حاصل کرنے میں اعتدال وتوازن کا طریقہ اختیار کریں گے اور حرام طریقہ سے بچیں گے۔ پھر اس جائز کمائے ہوئے مال کو استعمال کرنے میں بھی سہو وغفلت سے بچیں گے۔ اس اِسراف وفضول خرچی سے بھی دور رہیں گے، جس سے شریعت نے سختی کے ساتھ منع فرمایا ہے۔ اور معصیت وگناہ کے مقام پر تو بہت زیادہ احتیاط سے کام لیں گے۔

حضرت لقمان کی آخری وصیت اور ان کا وصال تفسیر روح البیان کے حوالہ سے۔

نماز کی وصیت

يٰبُنَيَّ اَقِمِ الصَّلٰوةَ وَ اْمُرْ بِالْمَعْرُوْفِ وَ انْهَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَ اصْبِرْ عَلٰى مَآ اَصَابَكَ اِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ۔(پ:۲۱۔سورۂ لقمان:۱۷)

ترجمہ: اے میرے بیٹے! نماز کو ہمیشہ قائم رکھ، بھلائی کا حکم دے، برائی سے روک اور (ان امور کی ادائیگی میں) جب تجھے کوئی مصیبت و پریشانی پہنچے، تو اس پر صبر کر اور یہ (امر بالمعروف، نہی عن المنکر اور صبر بر ایذا) بڑا اولوالعزم (یعنی ہمت وحوصلہ کا) کام ہے۔

حضرت لقمان نے اپنے بیٹے کو متعدد وصیتیں کیں، مگر ان میں تین وصیتیں ہر انسان کے لئے بہت اہم اور قابلِ عمل ہیں۔

(۱) نماز کی پابندی (۲) بھلائیوں کا حکم دینا برائیوں سے روکنا۔

(۳) امر بالمعروف اور نہی عن المنکر میں پہنچنے والی تکالیف پر صبر کرنا۔

یہاں ہم حضرت لقمان کی انہیں تینوں وصیتوں پر تفصیل سے لکھیں گے۔ باقی وصیتوں کا ترجمہ کرتے ہوئے گزر جائیں گے، تاکہ کتابچہ طویل نہ ہو جائے۔ مذکورہ آیت میں حضرت لقمان کی تین وصیتوں کا ذکر ہے۔

(۱) نماز:۔ جو صرف حق اللہ ہے۔ وہ اپنی اس وصیت میں صورتاً نماز کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ کی تعظیم اور اس کے جلال وقدرت کو اپنے بیٹے اور دیگر لوگوں کے دلوں میں بٹھانا چاہتے ہیں۔

(۲) بھلائیوں کا حکم دینا برائیوں سے روکنا:۔ اس طور پر کہ لوگوں کی بھلائی اور اچھائی کی طرف رہنمائی کی جائے اور انہیں شر وفتنہ وفساد سے دور رکھا جائے۔

اس میں عام لوگوں کے نفع کا ہے۔ اور یہ حق عام ہے، جس کو انہوں نے ماں باپ کے حقوق کے بعد بیان فرمایا ہے۔

(۳) ایذا پر صبر کرنا:۔ یعنی دعوت وتبلیغ کے میدان میں آنے والی پریشانیوں پر صبر وتحمل سے کام لینا۔ اور یہ حق نفس ہے۔ اور حقیقت یہ ہے کہ: نماز قائم کرنا ہو یا امر بالمعروف اور نہی عن المنکر، ان عظیم حقوق کی ادائیگی کے لئے صبر ایک بہت مضبوط اور قوی ہتھیار ہے۔ صبر چونکہ ایک بہت بڑی مشقت ہے، اسی لئے اسے اولوالعزم اور بڑے ہمت وحوصلے والوں یعنی انبیا اور ان کے نائبین کی خصلت عظیمہ اور عادت کریمہ کہا جاتا ہے۔ اور حق یہ ہے کہ تمام میدانوں کی کامیابی صبر میں ہی پوشیدہ ہے۔ اسی لئے صبر کو نصف دین کہا گیا۔

چنانچہ علما فرماتے ہیں: آدھا دین شکر ہے اور آدھا دین صبر ہے۔

اب ایک باپ، سرپرست اور استاذ کو اپنی اولاد، اپنے ماتحتوں کی تربیت میں ان باتوں کا اہتمام کرنا بہت ضروری ہے۔ اور انہیں ایمان وعقیدہ کی تعلیم اور اس کی اصلاح کے بعد سب سے پہلے اور سب سے زیادہ توجہ انہیں چیزوں کی طرف دینی چاہئے۔ کیونکہ یہی باتیں تمام اعمال صالحہ کی جڑ اور بنیاد سمجھی جاتی ہیں۔ جیسا کہ حضرت لقمان نے ایمان وعقیدہ کی اصلاح کے بعد اپنے بیٹے کو پیار بھرے کلمہ "یَا بُنَیَّ" سے خطاب کر کے نماز، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی طرف متوجہ کرنا چاہا۔ "یَا بُنَیَّ" محبت بھرے کلمہ سے مخاطب کر کے وہ بتانا چاہتے تھے کہ جس چیز کا حکم دیا جا رہا ہے، وہ بہت اہم اور جلیل القدر ہے۔ اور دین ودنیا کی کامیابی کا راز اس کی ادائیگی میں پوشیدہ ہے۔ اسی لئے انہوں نے "یَا بُنَیَّ" سے اپنے بیٹے کا ذہن وفکر حاضر کر کے نماز بلکہ اقامت نماز اور امر بالمعروف و

نہی عن المنکر اور اس پر آنے والی مشقت پر صبر کا حکم دیا۔

نماز اکمل عبادات

ایمان تو چونکہ ہر خیر و بھلائی کا مبدأ اور بنیاد ہے۔ اور انسان کے ظاہری و باطنی کمال کی جڑ اور منشا ہے۔ ایک مکلف انسان پر جو چیز سب سے پہلے واجب ہوتی ہے، وہ توحید و ایمان ہی ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ اور اس کے حبیب ﷺ پر ایمان لانا اور نبی ﷺ جو کچھ بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے لیکر آئے ہیں، اس کو دل سے ماننا اور اس کو سیکھ کر اس پر عمل کرنا۔ اسی کا نام کمال ایمان ہے۔ اسی لئے ایمان تمام امور میں مطلقاً سب سے اعلیٰ، سب سے اشرف اور سب سے افضل ہے۔ لیکن ایمان و عقیدہ کی اصلاح کے بعد جو سب سے اعلیٰ اور سب سے افضل عمل ہے، وہ ہے نماز۔ کیونکہ نماز ہی وہ عبادت ہے، جو انسان کے نفس کی اصلاح اور تکمیل کرتی ہے۔

جس صیغہ اور کلمہ سے حضرت لقمان نے اپنے بیٹے کو نماز کی وصیت کی، بالکل اسی صیغۂ واحد مذکر حاضر سے اللہ تعالیٰ نے سورۂ عنکبوت میں اپنے حبیب ﷺ اور اپنے حبیب ﷺ کے ذریعہ ان کی امت کو نماز قائم کرنے اور اس پر پابندی کا حکم دیا۔ اور ساتھ میں ہمیشہ پابندی کے ساتھ نماز ادا کرنے کی مصلحت و حکمت بھی بیان فرمادی۔ اب پڑھئے رب کا حکم:

اَقِمِ الصَّلٰوۃَ اِنَّ الصَّلٰوۃَ تَنْھٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَ الْمُنْکَرِ وَ لَذِکْرُ اللّٰہِ اَکْبَرُ. (پ:۲۱۔العنکبوت:۴۵)

ترجمہ: نماز (اس کے ارکان و آداب کی حفاظت کے ساتھ وقت پر پابندی سے) قائم کیجئے۔ بیشک (وقت پر شرائط و ارکان کی حفاظت اور ظاہری و

باطنی آداب کی رعایت کے ساتھ جماعت سے ادا کی جانے والی) نماز (انسان کو) بے حیائیوں اور تمام ممنوع و برے کاموں سے روک دیتی ہے۔

نماز کی خاصیت

جب کسی نمازی آدمی کو خلاف شرع کام یا کسی بے حیائی، برائی اور گناہ و معصیت میں مبتلا دیکھا جائے، تو عام طور پر کہا جاتا ہے کہ: فلاں شخص نماز بھی پڑھ رہا ہے اور گناہ بھی کر رہا ہے۔ جبکہ قرآن فرماتا ہے: ’’بیشک نماز بے حیائی اور بری بات سے روکتی ہے۔‘‘ اور قرآن کا حکم اپنی جگہ برحق ہے، تو ایسے شخص کی نماز کا حکم کیا ہے؟ دوستو! اس کا یہی جواب دیا جائے گا کہ: بیشک نماز انسان کو بے حیائی اور بری بات سے روکتی ہے، مگر اسی وقت، جبکہ وہ بکمال و خوبی نماز پر مداومت اور پابندی کرے۔ کیونکہ نماز اور ذکرِ الٰہی انسان میں خوف و خشیت خداوندی پیدا کرتا ہے۔ خاص طور سے انسان کو گناہ سے باز رکھتا ہے۔

(اَقِمِ الصَّلٰوۃَ) کا مطلب ہے نماز پر پابندی کرو۔ اور نماز کی پابندی کا مطلب یہ ہے کہ: نماز کے فرائض و شرائط اور سنن و مستحبات۔ جو علمائے شریعت بتاتے ہیں۔ اور اس کے باطنی آداب۔ جو طریقت کے عارف بتاتے ہیں۔ ان تمام کی رعایت کے ساتھ پابندی کرے۔ یہ نماز کا کمالِ وصفی کہلاتا ہے۔ اور نماز وقت پر ادا کرے، آگے پیچھے نہیں۔ پابندی سے پڑھے، قضا و ناغہ سے نہیں۔ یہ نماز کا کمالِ زمانی ہے۔

جب بندہ ان دونوں کمالوں کے ساتھ نماز ادا کرے گا، تو بیشک یہ نماز ضرور اس انسان کو ہر طرح کی بے حیائی اور ہر قسم کی برائی سے روکے گی کیونکہ اللہ تعالیٰ

نے اپنے کلام میں نماز کی یہ خاصیت اور تاثیر بیان فرمادی ہے کہ وہ بے حیائی اور برائی سے روکتی ہے۔

نماز کا نتیجہ

اس حکمِ خداوندی سے سمجھ لینا چاہئے کہ: جو نماز پڑھ کر بے حیائیوں اور برائیوں سے بچ رہا ہے، وہی حقیقت میں مُصَلّی اور نمازی ہے۔ اور جو بے حیائیوں اور برائیوں سے نہیں بچ رہا ہے۔ وہ ظاہراً اگرچہ نماز کے ارکان ادا کر رہا ہے۔ لیکن وہ سچا نمازی نہیں ہے۔ اسی طرح کا بیان تفسیر روح البیان میں سورۂ لقمان کی تفسیر میں ہے۔

زبانِ نبوت کی برکت

روایت میں آیا ہے: ایک انصاری نوجوان اللہ پاک کے حبیب ﷺ کے ساتھ پانچ وقت کی نماز ادا کرتے تھے۔ لیکن ہر طرح کا گناہ بھی ان سے ہوجایا کرتا تھا۔ لوگوں نے ان کی یہ حالت سرکار ﷺ بیان کی۔ تو سرکارِ دوعالم ﷺ نے فرمایا: اِنَّ صَلٰوتَهٗ سَتَنْهٰى (بیشک ان کی نماز عنقریب ان کو گناہوں سے روک دے گی۔) اور یہی ہوا۔ زبانِ نبوت کی برکت! بس تھوڑا ہی وقت گزرا ہوگا، انہوں نے توبہ کر لی۔ اور ایسی توبہ کی اور اپنے حال کی ایسی اصلاح کی کہ ان کا شمار زاہد صحابہ میں ہونے لگا۔ (سورۂ عنکبوت۔ تفسیر روح البیان)

ہر عمل کی تاثیر

ہر کام کی ایک تاثیر ہوتی ہے جو اس کے فاعل یعنی کرنے والے پر ظاہر اور مُرَتَّب ہوتی ہے۔ اور ہر عمل کا اثر خاص طور سے انسان کے دل پر ضرور پڑتا ہے۔ اگر وہ عملِ خیر کرتا ہے، تو اس سے اچھے کام کی خاصیتیں اور اثرات ظاہر ہونے لگتے ہیں۔ اور اگر۔ خدانخواستہ۔ کسی عملِ شر اور گناہ میں مبتلا ہوتا ہے، تو اس کے اثراتِ بد بھی آہستہ آہستہ اس پر مرتب ہو کر ظاہر ہونے لگتے ہیں۔

جیسے پانی کا ایک اثر ہے، جو پینے والے پر مرتب ہوتا ہے۔ کھانے کا ایک اثر ہے، جو کھانے والے پر مرتب ہوتا ہے۔ بھوک پیاس کا دور ہونا وغیرہ۔

علم کا ایک اثر ہے، وہ ہے خوف وخشیت جو عالم دین پر مرتب ہوتا ہے۔ جیسے قرآن کریم میں ہے:

اِنَّمَا یَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا (پارہ:۲۲۔الفاطر:۲۸)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کے بندوں میں علما ہی ڈرنے والے ہیں۔

تو جو عالمِ دین ہو کر رب تعالیٰ کا خوف وخشیت رکھتا ہو وہی عالم دین ہے۔ اور جو اس اثر سے محروم ہے، وہ اگرچہ سند کا عالم ہو لیکن حقیقت میں عالم نہیں ہے۔

سود خور اور بیاجی انسان کا دل سخت ہو جاتا ہے۔ اور اس کے دل کی سختی لوگوں پر ظاہر ہونے لگتی ہے۔ ایسے ہی جوا، شراب، زنا و بدکاری کے اثراتِ بد انسان کے دل پر مرتب ہو کر ظاہر ہونے لگتے ہیں۔ اسی طرح کفر و شرک کے اثرات انسان کے دل پر یوں مرتب ہوتے ہیں، کہ جس انسان کے دل میں کفر و شرک ہوتا ہے، وہ نیکیوں سے بھاگتا ہے، گناہ و معصیت پر ٹوٹتا ہے اور لوگوں

سے ڈرتا ہے۔ جو حال کفر وشرک اور گناہ ومعصیت کے اثرات کا ہے، یہی حال
اعمالِ خیر کا ہے۔ ان کا اثر بھی انسان اور اس کے قلب پر مرتب ہونے لگتا ہے۔
نیکیوں کی طرف رغبت ہو جاتی ہے، گناہوں سے بھاگتا ہے، اللہ تعالیٰ کے علاوہ
کسی سے نہیں ڈرتا اور اسی پر اعتماد و بھروسہ کرتا ہے۔

نماز قربت کا ذریعہ ہے

حدیث شریف میں آیا ہے: جس انسان کو اس کی نماز بے حیائی اور برائیوں
سے نہ روکے، تو اس کی نماز اللہ تعالیٰ سے بُعد اور دوری کے علاوہ اضافہ نہیں کرتی۔
(روح البیان)

مطلب یہ کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر نماز فرض تو فرمائی ہے اپنے
بندوں کو اپنے قریب کرنے کے لئے، تو حقیقت میں نماز اللہ تعالیٰ سے قرب کا
ایک اعلیٰ ذریعہ ہے۔ لیکن گناہ ومعصیت میں مبتلا اس بندہ کی نماز خدا سے دوری
کا سبب ہو جاتی ہے۔ کیونکہ اس نے نماز پڑھی ہے، مگر حقیقتِ نماز ادا نہیں کی
ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے اِقامتِ صلوٰۃ کا حکم دیا ہے، اور فرمایا: اَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ،
صَلُّوا الصَّلٰوۃَ نہیں فرمایا۔ کیونکہ نماز پڑھنا اور ہے اور نماز قائم کرنا اور۔

اِقامت صلوٰۃ

علما فرماتے ہیں: نماز کی حقیقت ہے خشوع خضوع کے ساتھ حضور قلب۔ یہ
چیز ذکر سے پیدا ہوتی ہے۔ اور مراقبہ یعنی یہ تصور کہ خدا دیکھ رہا ہے یہ تصور فکر کی
کیفیت سے پیدا ہوتا ہے۔ تو ذکر فی الصلوٰۃ انسان سے نماز میں غفلت کو دور کرتا

ہے۔ جیسا کہ فُقہا اور شریعت کے علما نے نماز کے ارکان و اعمال کے بیان میں
فرمایا: نظر قیام کی حالت میں سجدہ کی جگہ پر ہو، رکوع میں قدموں پر اور سجدہ میں
ناک کے بانسہ پر۔ ایسے ہی جملہ اعمال کی حقیقت آپ فقہائے کرام سے معلوم
کر سکتے ہیں۔ اسی طرح فکر و مراقبہ انسان کی نماز میں آنے والے وسوسوں اور
خیالات کو دفع کرتے ہیں۔

جب حقیقی نماز انسان کو نماز کی حالت میں غفلت، برے خیالات اور وسوسوں
سے روکے گی، تو نماز کے باہر تو یقینی طور پر اسے بے حیائی و گناہ اور برے کاموں
سے ضرور روک دے گی۔ یہی نماز حقیقت میں سید العارفین اور سید الکاملین کی
آنکھوں کی ٹھنڈک ہے۔ اور قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے اسی نماز کو قائم کرنے کا
حکم دیا ہے۔ جیسا کہ ہم بتا کے آئے ہیں۔

یعنی نیت سے لیکر نماز کا ہر فعل و عمل کامل طور پر ادا کیا جائے۔ قیام ہو تو علیٰ
وَجہِ الاَکمل، قرأت ہو تو حضورِ قلب کے ساتھ کامل طور پر۔ یعنی اصول تجوید
کے ساتھ۔ رکوع و سجدہ ہو تو کامل خشوع خضوع اور حضورِ قلب کے ساتھ۔ غرضیکہ
نماز، تمام ارکان و واجبات اور سنن و مستحبات کے ساتھ وقت پر پابندی سے ادا کی
جائے۔ بندہ کی یہی نماز قبول کی جائے گی۔ اور اسی نماز کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا
ہے۔ محض قیام و رکوع و جلوس یعنی کھڑے ہونے جھکنے بیٹھنے وغیرہ ظاہری حرکات کا
نام حقیقی نماز نہیں۔ اسی لئے منافقین کی نماز کے بارے میں فرمایا گیا:

وَاِذَا قَامُوْۤا اِلَی الصَّلٰوۃِ قَامُوْا کُسَالٰی (پارہ:۵-النساء:۱۴۲)

ترجمہ: اور جب وہ نماز کو کھڑے ہوتے ہیں تو ہارے جی سے۔
یعنی کاہلی کے ساتھ صرف لوگوں کو دکھانے کے لئے کھڑے ہوتے ہیں۔

اور حضورِ قلب کے ساتھ اللہ تعالیٰ کو بالکل یاد نہیں کرتے۔ اسی لئے ان کی ظاہری نماز کو اللہ تعالیٰ نے نہیں قبول فرمایا۔ کیونکہ ان کی نماز اخلاص ۔جو کہ روح نماز ہے۔ سے خالی تھی۔ اسی وجہ سے بظاہر نماز پڑھنے کے باوجود اللہ تعالیٰ ان کی ملامت ومذمت فرما رہا ہے۔

نماز کا اثر

نماز فرض ہو یا نفل، بدنی اعمال میں سب سے افضل اور سب سے اعلیٰ عمل ہے۔ اور نماز کا ایک عظیم اثر ہے: نفس کی اصلاح۔ اور یہ نمازی آدمی پر مرتب ہوتا ہے۔ تو جو نماز پڑھے اور بے حیائیوں، برائیوں سے بچتا ہو، وہی حقیقت میں نمازی ہے۔ اور جو نماز پڑھ کر بے حیائیوں اور برائیوں کا ارتکاب کرتا ہے، تو وہ صورۃً تو نمازی ہے، حقیقتاً نمازی نہیں۔ اسی لئے علما فرماتے ہیں:

اللہ تعالیٰ کا قول: (اَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ) اور (مُقِیْمَ الصَّلٰوۃِ) عربوں کے قول اَقَمْتُ الْعُوْدَ یا قَوَّمْتُ الْعُوْدَ سے بنایا گیا ہے۔ جس کا معنیٰ ہے: لکڑی کو درست یا سیدھا کرنا۔ تو گویا جو شریعت کے مطابق صحیح اور درست نماز ادا کرتا ہے، اس کی یہ صحیح نماز اس کے نفس کی کجی اور ٹیڑھے پن کو دور کرکے درست اور سیدھا کر دیتی ہے۔

نماز کی فرضیت سے کیا منظور ہے؟

اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر نماز فرض فرمائی ہے اس نفس کی اصلاح کے لئے، جو تمام بے حیائیوں اور برائیوں کی جڑ اور ہر شر کا ماویٰ ہے۔ اور نماز

سے انسان کے نفس کی اصلاح اور اس کی کجی دور کرنا منظور ہے۔ ورنہ وہ تو غنی وصمد ہے، اسے کسی کی عبادت وریاضت کی کوئی حاجت نہیں۔

جو دنیا میں نفس کی شر اور فتنہ سے نجات پائے گا، وہی آخرت میں دوزخ اور اللہ تعالیٰ کی گرفت سے نجات پائے گا۔ حدیث میں ہے:

سیدنا عیسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ السلام فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے فرمایا: بندہ فرائض کے ذریعہ میری گرفت اور پکڑ سے نجات پائے گا اور نوافل کے ذریعہ میرا مقرب اور محبوب ہو جائے گا۔ (روح البیان)

حضرت لقمان کی ایک وصیت

کشف الاسرار نامی کتاب میں ہے: حضرت لقمان نے اپنے بیٹے کو وصیت کی: اے بیٹے! روزہ رکھتے ہو تو ایسے رکھو کہ نفس کی شہوت وخواہش جاتی رہے۔ اس طور پر نہ رکھو کہ قوت ہی جاتی رہے اور تم ضعیف ہو جاؤ، پھر تم نماز پڑھنے سے بھی رہ جاؤ۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک نماز روزہ سے زیادہ محبوب ہے۔

(روح البیان)

ہم نے ابھی آپ کو اوپر بتایا کہ: بدن کے اعمال میں سب سے افضل عمل نماز ہے، فرض ہو یا نفل۔ فرض کی ادائیگی تو نجات کے لئے اور کثرت سے نوافل ادا کرنا قربت ومحبت کیلئے۔ جیسا کہ مشہور حدیث میں ہے:

بندہ نوافل کے ذریعہ میرا مقرب ہوتا ہے۔

حضرت لقمان نے فرمایا: ''نماز روزہ سے زیادہ محبوب ہے۔'' وہ اس لئے کہ روزہ اصلاح طبیعت یا اخلاق کو درست کرنے کے لئے ہے، جبکہ نماز اصلاح

نفس۔جو ہر شر کا ملجا ہے۔کے لئے ہے۔جیسا کہ ہم بتا چکے ہیں۔ویسے تو نفس پر
ہر عبادت بہت بھاری ہے، لیکن نماز سب سے زیادہ گراں ہے۔ اس کٹھور و
سرکش نفس کو نرم اور مطیع کرنے کیلئے ہی اللہ تعالیٰ نے نماز فرض فرمائی۔

صوفیائے کرام فرماتے ہیں: لوہے کو نرم کر کے اسے ڈھالتے ہیں، پھر اس
سے پرزے اور اوزار وغیرہ بناتے ہیں۔ایسے ہی سنار سونا چاندی کو بھٹی میں ڈال کر
محبوب کی زینت کے لئے زیور بناتے ہیں۔بلاتشبیہ یہ ہمارا نفسِ امارہ بھی سخت کٹھور
لوہا ہے، اس کو نرم کرنے کے لئے اس کے خالق و مالک نے پانچ وقت کی نماز فرض
فرمائی، تا کہ انسان اپنے نفس امارہ کو کبریائی کی بھٹی میں پانچ وقت تپا کر اس میں
خشوع وخضوع، عاجزی وانکساری اور نرمی پیدا کرے۔اور جب یہ نرم ہو جائے گا، تو
اسے ہر طرح سے ڈھالا جا سکتا ہے۔ اور نفسِ امّارہ کو نرم کر کے ہی انسان عابد،
عارف، غوث وقطب بن کر زمین کی زینت بنے۔ یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ اس نفس
امارہ کو نرم کرنے والی آگ ہے نماز۔لیکن وہ نماز جس میں خشوع وخضوع ہو، موت
کی یاد ہو، قیامت کی فکر ہو اور اللہ تعالیٰ کی محبت شامل ہو۔ عاجز اور نرم مٹی ہی میں
باغ اور پھل اگتے ہیں۔مغرور ومتکبر آگ میں نہیں۔(تفسیر نعیمی پ۱ غیر یسیر)

نماز آسان کیسے ہو؟

اب سوال اس بات کا ہے نماز اس ٹیڑھے نفس امارہ کو نرم کر دیتی ہے، لیکن
اس سخت کٹھور نفس پر نماز آسان کیسے ہو؟ تو علما فرماتے ہیں: نماز انسان کو دشوار
اور بھاری اس لئے معلوم ہوتی ہے کہ انسان کا جو نفس یا دل ہے وہ خیالی میدان
میں آزاد رہنے کا عادی ہے اور جو ظاہری اعضا ہیں وہ دل کے تابع ہیں۔ [جیسا

کہ ہم بخاری شریف کی حدیث کے حوالہ سے دل کی کیفیت اور اعضا کی اصلاح
کے بارے میں بتا کے آئے ہیں۔] اور ادھر نماز میں ظاہری اعضا کو پورا پورا
پابند بھی کر دیا گیا کہ نماز میں ہنسنا، بولنا، چلنا پھرنا اور کھانا پینا سب حرام کر دیا گیا
ہے۔تو ظاہری اعضا کی اس پابندی کا اثر دل پر بھی پڑتا ہے، اسی وجہ سے وہ
گھبرانے لگتا ہے۔ جیسا کہ ہم عام نمازیوں کو دیکھتے ہیں کہ وہ جلدی سے جلدی
نماز پڑھ کر بھاگنا چاہتے ہیں۔اور اس گھبراہٹ کی وجہ یہ ہے کہ دل اور نفس ہر
وقت حرکت اور اُلٹ پلٹ چاہتے ہیں، ان کو چین وسکون کی عادت نہیں۔

اور چونکہ نفس ایک وقت میں دو یا چند چیزوں کی طرف متوجہ نہیں ہو سکتا۔
جب اس کو ایک خیال یا ایک دھیان میں لگا دیا جائے، تو دوسرے وسوسے اور
خیالات خود بخود جاتے رہتے ہیں۔اس لئے اس بھاری چیز کو اس پر آسان کرنے
کیلئے شریعت میں پہلا کام یہ کیا گیا ہے، کہ خشوع پیدا کرنے کے بعد ایک تصور و
خیال قائم کرنے کا حکم دیا گیا، تا کہ دل ونفس کو سکون وقرار آئے اور نماز جو اس پر
بھاری ہے، آسان ہو جائے۔اب بندہ خیال وتصور یہ قائم کرے کہ مجھے آخرت
میں رب سے ملنا ہے، خدا کے پاس پلٹ کر جانا ہے، رب کے سامنے پیش ہونا
ہے اور اپنی زندگی کا حساب دینا ہے۔یا یہ تصور کرے کہ یہ میری زندگی کی آخری
نماز ہے، پتہ نہیں پھر موقعہ ملے یا نہ ملے۔ یا یہ تصور قائم کرے کہ ہم رب کو دیکھ
رہے ہیں اور اس سے کلام کر رہے ہیں۔ یا یہ تصور کرے کہ خدا ہم کو دیکھ رہا ہے
اور ہمارا کلام سن رہا ہے۔جیسا کہ حدیث کے حوالہ سے پیچھے بتا کے آئے ہیں۔
جب یہ تصور یہ خیال اور یہ دھیان نمازی کے دل ودماغ پر قائم ہو جائیں گے، تو
دنیوی خیالات خود بخود دفنا ہو جائیں گے اور دل کو چین وقرار حاصل ہو گا۔اور اس

چین وقرار سے سخت نماز نفس پر آسان ہوگی۔ بلکہ نفس جواب تک بھاگ رہا تھا
اس نماز میں لذت محسوس کرے گا۔ ہرانسان کی فطرت ہے، جس چیز میں نفس اور
دل لذت پاتا ہے اس چیز کا حریص اور طلبگار ہو جاتا ہے۔اب وہ نماز کا حریص
ہو کر ضرور پابند ہو جائے گا۔ اسی نسخہ کو اللہ تعالیٰ نے سورہ بقرہ آیت نمبر
(۴۵۔۴۶) میں یوں بیان فرمایا ہے:

صبر اور نماز سے مدد حاصل کرو۔ اور بیشک نماز ضرور بھاری ہے، مگر ان
لوگوں پر (نہیں) جو میری طرف جھکنے (اور میرے ذکر میں سکون پانے) والے
ہیں جنہیں یقین ہے کہ انہیں اپنے رب سے ملنا ہے اور اس کی طرف پلٹ کر جانا
ہے۔(ماخوذ از تفسیر نعیمی)

عبرت والی حکایت

اللہ تعالیٰ نے سورہ بقرہ کی آیت نمبر (۴۵) میں فرمایا: اِنَّهَا لَكَبِيْرَةٌ ۔

ترجمہ: بیشک یہ نماز (فطری طور پر) نفس پر بہت بھاری ہے۔

اس نفس امارہ پر نماز اور ذکر و تلاوت اس قدر بھاری پڑتی ہے کہ یہ دنیا کے
ہر مشکل سے مشکل کام کا بوجھ اٹھانے کے لئے تیار و آمادہ ہو جاتا ہے۔مگر اپنے
خالق و مالک کی عبادت و ذکر سے بہت گھبراتا ہے۔اس پر مجھے ایک سنی سنائی
حکایت یاد آرہی ہے، اسے میں ذکر کر رہا ہوں۔بہت سے قصے اور واقعات
فرضی اور گڑھے ہوئے ہوتے ہیں، مگر چونکہ عبرتوں اور نصیحتوں سے پُر ہوتے
ہیں، اس لئے ان کو ذکر بھی کیا جاتا ہے اور کتابوں میں لکھا بھی جاتا ہے۔

ایک نیک انسان صبح چوراہے وغیرہ۔جہاں مزدور ملا کرتے ہیں۔ سے چند

مزدور مزدوری پر لائے۔ان کو وضو وغیرہ کرایا، ہر ایک کو ایک ایک تسبیح دی اور
ایک صاف ستھری چادر پر مصلے بچھا کر ان پر بٹھا دیا اور فرمایا: تم آج میرے
مزدور ہو، شام کو پانچ بجے مزدوری ملے گی۔اور تمہارا کام صرف یہ ہے تم مصلے پر
بیٹھ کر سکون سے اللہ اللہ اللہ پڑھو۔مزدور بہت خوش ہوئے، کہ ہمیں تو اچھا مالک
ملا نہ پھاوڑا چلانا ہے، نہ اینٹیں ڈھونا ہیں، نہ پرات اٹھانا ہے۔بس سکون سے
بیٹھ کر تسبیح ہلانا ہے۔ یہ تو اچھی مزدوری ملی ہے۔سب تسبیح پڑھنے لگے اور صاحبِ
خانہ اپنے کام میں جا کر مشغول ہو گئے۔مگر اب نفس کی گندگی اور فطرت دیکھئے۔
ابھی مصلے پر ذکر و تسبیح کرتے تھوڑی دیر گزری ہوگی، کہ سب گھبرانے لگے۔کوئی
اونگھ رہا ہے، کوئی دنیا کی باتیں کر رہا ہے، کوئی اِدھر دیکھ رہا ہے، کوئی اُدھر جھانک
رہا ہے۔ ایک آدھ گھنٹہ کے بعد بولے: یہ تو بہت سخت کام ہے۔ مختصر یہ کہ کوئی
ایک گھنٹہ بعد بھاگ اٹھا، کوئی دو گھنٹہ کے بعد۔غرض یہ کہ دوپہر کی چھٹی سے پہلے
پہلے سب یہ کہہ کے بھاگ گئے: یہ تو بہت سخت کام ہے۔ پھاوڑا چلانا آسان
ہے، پہاڑ کاٹنا آسان ہے، اینٹیں سر پر رکھ کر اوپر پہنچانا آسان ہے۔مگر مصلے پر
بیٹھ کر ۵ ربجے تک تسبیح پڑھنا بہت مشکل کام ہے۔ یہ ہم سے نہیں ہوسکتا۔شام کو
جب صاحبِ خانہ مزدوری دینے ان کے پاس آئے، تو سب غائب، کسے نہ
باشد۔انہیں بڑا افسوس ہوا۔بچارے مزدوری لئے بغیر چلے گئے۔اگلے دن صبح
پھر اسی چوراہے پر پہنچے۔وہاں کل والے مزدور ملے۔تو انہوں نے ان سے کہا:
کل تم بلا مزدوری لئے چلے آئے۔چلو بھائی میرے ساتھ چلو میں تمہیں کل کی بھی
مزدوری دونگا اور آج کی بھی۔ وہ سب مزدور بولے: بھائی ہمیں معاف کرو، ہم
تمہاری مزدوری نہیں کر پائیں گے۔آپ کی مزدوری تو بہت سخت ہے۔ پھاوڑا

چلانے، نیو کھودنے، پہاڑ توڑنے جتنے بھی محنت سے محنت بھرے کام ہو سکتے ہیں، تمہارا کام ان سب سے زیادہ سخت ہے۔

تبصرہ: اب ہم اپنے سماج پر نظر کرتے ہیں۔ پہلے چھوٹے چھوٹے بچوں کو دیکھئے، وہ دشوار سے دشوار کھیل کود میں دن بھر پسینہ پسینہ ہو کر مستی میں کھیلتے رہیں گے۔ لیکن گھنٹہ دو گھنٹہ کیلئے ان کے ماں باپ انہیں کولر اور اے سی کی ہوا میں بیٹھا کر پڑھنے کیلئے کوشش کریں، تو اس کے لئے تیار نہیں ہوتے ہیں۔ چرا چرا کر بھاگتے ہیں۔ اور انہیں پڑھانے کیلئے ماں باپ کو بے پناہ جد جہد اور کوشش کرنا پڑتی ہے۔ بالکل یہی حال اس نفس انسان کا ہے کہ ہر سخت سے سخت ذمہ داری اٹھانے اور بڑی سے بڑی محنت کرنے کے لئے تیار ہو جاتا ہے، لیکن اپنے مولیٰ کی عبادت و بندگی اور خدمت کرنے کے لئے تیار نہیں، جس کے بدلے اس مالک و مولیٰ نے اپنے فضل سے ایسے ثواب اور مزدوری کا وعدہ کیا ہے، جس میں ہمیشہ ہمیش کی ابدی راحتیں، عیش و آرام، جنتیں، حوریں، نہریں اور نہ جانے کیا کیا، کہ جس کے بارے میں نہ کانوں نے سنا نہ آنکھوں نے دیکھا۔

یہ ہے اس نفس امارہ کی فطری گندگی اور فطری کمزوری۔ مولیٰ کی پناہ چاہتے ہیں ہم نفس کی شرارتوں سے۔ ؎

اللہ، اللہ کے نبی سے　　فریاد ہے نفس کی بدی سے

تصورات کو سمیٹنا

صحیح بات یہ ہے کہ نماز یا دیگر عبادات میں خیالات و تصورات کو سمیٹ کر اور ایک ہی تصور و دھیان پر قائم رہ کر نماز و بندگی ادا کرنا، جسے اِقامت صلوۃ

کہا گیا ہے، بہت مشکل کام ہے۔ اسی کی ادائیگی کے لئے انبیا علیہم السلام نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی اور بھیک مانگی: رَبِّ اجْعَلْنِیْ مُقِیْمَ الصَّلٰوۃِ وَمِنْ ذُرِّیَّتِیْ رَبَّنَا وَتَقَبَّلْ دُعَآءِ۔

ترجمہ: اے میرے رب! مجھے اور میری اولاد کو نماز قائم کرنے والا رکھ۔ اور اے ہمارے رب ہماری دعا سن لے۔ (پارہ: ۱۳-ابراہیم: ۴۰)

اس سے پتا لگا صحیح تصور و دھیان کے ساتھ، وصفاً زماناً کامل نماز ادا کرنا بہت مشکل کام ہے۔ انسان اللہ تعالیٰ کی اعانت و مدد کے بغیر نہیں کرسکتا ہے۔

اذان کے جواب میں عظیم نکتہ

جب مؤذن نماز کے لئے اذان دیتا ہے، تو سننے والوں کے لئے حکم ہے کہ وہ مؤذن کی اذان کا جواب دیں۔ یعنی اللہ اکبر اللہ اکبر کے جواب میں اللہ اکبر کہے، ایسے ہی باقی کلمات میں۔ لیکن حَیَّ عَلَی الصَّلٰوۃِ (آؤ نماز کی طرف) اور حَیَّ عَلَی الْفَلَاحِ (آؤ کامیابی کی طرف) کے جواب میں حکم یہ ہے کہ: **لا حول ولا قوۃ الا باللہ** پڑھے۔

اس لئے کہ حی علی الصلوٰۃ اور حی علی الفلاح میں نماز اور کامیابی کی دعوت ہے۔ اب اِقامت صلوٰۃ اور ادائیگی نماز کی دعوت کو قبول کرنا اور قبول کر کے اس کو مکمل طور پر صحیح اور درست ادا کرنا بڑی مشقت اور بڑی تکلیف کا کام ہے۔ اس میں بندہ اپنے مولیٰ کریم کی مدد کا یقیناً محتاج ہے۔ اسی لئے اس دعوت پر اسے حکم ہوا کہ وہ اس کے جواب میں لاحول ولا قوۃ الا باللہ پڑھے۔ گویا زبان حال سے یہ عرض کر رہا ہے کہ ہم میں اس امانت کے ادا کرنے کی طاقت نہیں ہے، اس لئے ہم اس کو تیرے حوالہ

کرتے ہیں۔اے مولیٰ کریم اس اقامتِ صلوٰۃ اور نماز کی ادائیگی پر ہماری مدد فرما۔

اسی لئے اللہ پاک کے حبیب ﷺ نے اس کلمہ کو حی علی الصلوٰۃ اور حی علی الفلاح کے جواب میں سنت قرار دیا ہے۔بعض علما فرماتے ہیں: حی علی الصلوٰۃ اور حی علی الفلاح میں اپنے ظاہر وباطن کو دنیا کی ہدایت اور آخرت کی کامیابی کی طرف متوجہ کرنا ہے۔اور یہ بہت مشکل کام ہے۔تو اب انسان کے لئے مناسب یہی ہے کہ عرض کرے: اے اللہ میں اپنے ضعف اور کمزوری کی وجہ سے اس فریضہ اور امانت کی ادائیگی کی قوت نہیں رکھتا ہوں۔مگر جب تو ہمیں اپنے حول اور قوت وقدرت سے توفیق دے گا، تو اس فریضہ کو ہم ادا کرلیں گے۔

خیال رہے:حولؐ یا حوقل کا معنی ہے: گناہوں سے پھیرنا اور طاعت بندگی پر طاقت وقدرت دینا۔تو لا حول ولا قوۃ الا باللہ کا معنی ہوگا: نہیں ہے گناہ سے پھیرنے والا کوئی، اور نہیں ہے طاعت وبندگی کی طاقت دینے والا کوئی مگر اللہ تعالیٰ۔

مقبول نماز کی قدر وقیمت

جس نماز کی ادائیگی کا اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو حکم دیا ہے، وہ وہی نماز ہے، جو ظاہری اعمال یعنی ارکان، شرائط، واجبات، سنن ومستحبات اور باطنی آداب یعنی خشوع، خضوع، تذلل وعاجزی اور غفلت ونسیان سے بچتے ہوئے حضورِ قلب کے ساتھ ادا کی جائے۔

ایسی نماز کی قیمت کا عالم یہ ہے، علما فرماتے ہیں: حضورِ قلب۔یعنی خدا دیکھ رہا ہے کے تصور سے۔ادا کی جانے والی ایک نماز اس تصور سے خالی ایک ہزار

نمازوں سے بہتر ہے۔مگر یہ حضور، یہ تصور، یہ دھیان اور یہ مقامِ مراقبہ کمپیوٹر وانٹرنیٹ سے پڑھنے یا کتابوں کے مطالعہ سے حاصل نہیں ہوتا۔جب تک کہ کسی صاحبِ دل اور مقامِ مراقبہ وحضورِ قلب حاصل کئے ہوئے بندہ کی خدمت میں زانوئے ادب نہ طے کیا جائے۔

مگر اس زمانۂ تنقید میں بہت مشکل ہے

بیان کیا گیا ہے: ایک صاحب بہت دنوں تک اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں گڑگڑا کے دعا کرتے رہے، اللہ تعالیٰ انہیں مقبول نماز کی توفیق دے دے۔اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا قبول کی اور انہیں حضرت حبیب عجمی رضی اللہ عنہ کی اقتدا نماز پڑھنے کا موقعہ ملا، مگر (وہ ظاہری قیل وقال والے آدمی تھے) انہیں حضرت کی قرأت وغیرہ پسند نہ آئی اور نماز کو دہرالیا۔اسی رات خواب میں ان سے کہا گیا: اللہ تعالیٰ نے تمہیں مقبول نماز کی توفیق دی مگر تم اس کی قدر نہ پہچان سکے۔

(روح البیان عربی سورۂ عنکبوت)

اس حکایت سے پتا لگا کہ حضورِ قلب اور اصلاح باطن یہ بہت اہمیت کی چیز ہیں اسی سے انسان مقام ومرتبے پاتا ہے اور اسی سے نیکیوں کی قدر وقیمت بڑھتی ہے۔

نماز وبندگی کی عظمت اولاد کے دل میں کیسے پیدا کریں؟

پہلے تو ماں باپ اور سرپرست خود قرآن وحدیث کے مطالعہ یا کاملین کی صحبت سے اللہ تعالیٰ کی عبادت وبندگی کی اہمیت وعظمت حاصل کریں اور اپنے دل میں بٹھائیں اور اس کی قدر ومنزلت جانیں۔خصوصاً نماز جو بدنی اعمال میں

سب سے اعلیٰ وافضل اوراعمال صالحہ کی بنیاد ہے۔ پھر اپنے قلب میں بیٹھی ہوئی
عبادت وبندگی کی یہی عظمت واہمیت اپنی ننھی منی نوخیز اولاد کے دلوں میں پیار و
محبت سے آہستہ آہستہ بٹھانے کی کوشش کریں۔ اوران کی خوابیدہ وچھپی ہوئی
قوت واحساس کو آہستہ آہستہ بیدار کریں۔ اوران کے اندر یہ احساس وشعور اس
درجہ پیدا کردیں کہ وہ عبادت وبندگی خاص طور سے نماز کی ادائیگی میں آنے والی
شب وروز کی تکالیف کو برداشت کرنے کے لئے آمادہ ہوجائیں۔

اطاعت کا احسن طریقہ

انسان کو اپنی اولاد اور خود اپنے نفس کو اللہ تعالیٰ کا مطیع وفرمانبردار بنانے کے
لئے نماز سے بہتر کوئی اور طریقہ نہیں۔ کیونکہ خشوعِ کامل اور اللہ تعالیٰ کی طاعت و
فرمانبرداری اور اس کی بارگاہ میں مکمل سپردگی نماز کے اندر پائی جاتی ہے۔ آپ
نماز کے اعمال وارکان پر غور کیجئے، تحریمہ، قیام، رکوع، سجود، قعود وغیرہ سلام
پھیرنے تک ہر ہر عمل میں تذلل وعاجزی کے جتنے طریقہ ہوسکتے ہیں، وہ سب
تسلیم وخود سپردگی کے ساتھ پائے جارہے ہیں۔

(۲) نماز انسان کے دن رات کے کل ساعات اور گھنٹوں کو گھیرے ہوئے
ہے۔ شریعت نے پانچ وقت کی نماز کو ان وقتوں میں تقسیم کردیا ہے۔

(۳) نماز انسان کی کل زندگی کو گھیرے ہوئے ہے۔ کہ اسے بالغ ہونے
کے بعد تادمِ آخر نماز ادا کرنا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے:

وَ اعۡبُدۡ رَبَّکَ حَتّٰی یَاۡتِیَکَ الۡیَقِیۡنُ -(پارہ: ۱۴- الحجر :۹۹)

ترجمہ: اور اپنے رب کی عبادت و بندگی اس وقت تک کرو جب تک تمہیں

موت نہ آجائے۔

اور اللہ تعالیٰ نے انسان کے دن رات کے وقتوں کو پانچ وقت کی نماز میں
تقسیم کردیا ہے۔ تاکہ وہ اپنے دنیا کے کام بھی نماز جیسی عظیم عبادت سے شروع
کرے۔ جیسے فجر کے بعد دنیا کے کام شروع کرے۔ تو کارِ دنیا نمازِ فجر کی ادائیگی
کے بعد شروع ہوا اور دوپہر تک دنیا کے کاموں میں مشغولیت کے بعد کھانے
وغیرہ سے فارغ ہوکر شام کے کام ظہر کی نماز ادا کرکے شروع کرے۔

(۴) نماز دن میں پانچ مرتبہ مُکَرَّر اس لئے کی گئی، تاکہ انسان کو نماز سے
الفت ومحبت ہوجائے اور وہ اس کا عادی بھی۔

(۵) اِس تکرار میں اس پر نماز کی ادائیگی آسان ہوجائے گی۔

اور سب سے بڑی حکمت اس پانچ وقت کی نماز میں یہ ہے کہ نماز بندہ کو اس
کے خالق ومالک سے ہر وقت مربوط رکھنا چاہتی ہے۔ یعنی بندہ کا ربط وتعلق ہر
وقت اللہ تعالیٰ سے رہے۔ جب ایک باپ، استاذ یا دوسرے سرپرست نماز کی
اس طرح کی حکمتیں اور اہمیتیں اپنی اولاد، اپنے شاگردوں اور اپنے ماتحتوں
کے سامنے بیان کرے گا، تو وہ یقینی طور پر نماز کی اہمیت وعظمت کو جانیں گے۔
اور بلا کسی خارجی دباؤ کے خود بخود نماز کی حفاظت وپابندی کرنے لگیں گے۔

کچھ عملی تدبیریں

بہت سے مدرسوں کے استاذ اور بہت سے ماں باپ طلبہ اور اولاد کے نماز وغیرہ
نہ پڑھنے، اس کا اہتمام اور پابندی نہ کرنے، یا بڑے ہونے کے بعد وقت بے
وقت کاہلی وسستی سے پڑھنے پر طرح طرح کی شکایتیں کرتے ہیں۔ اور یہ حقیقت

بھی ہے ایسا سماج میں ہو بھی رہا ہے۔ بلکہ اگر یہ کہا جائے کہ ہمارے سماج کا ننانوے(۹۹) فیصد حصہ ان کمزوریوں میں مبتلا ہے تو بیجا نہ ہوگا۔ میں سمجھتا ہوں کہ بجائے شکوہ وشکایت کے بہتر یہ ہے کہ ہم عملی تدبیریں کریں اور دنیا کے کاموں کی طرح اس عظیم عبادت کی ادائیگی پر بھی پوری توجہ دیں۔

(۱) سب سے پہلے تو ماں باپ اور استاذ اس افضل عبادت اور اشرف عمل کی اہمیت خود جانیں اور سمجھیں پھر پابندی سے سفر وحضر ہر جگہ اس کی مکمل پابندی کریں۔

زندگی، زندگی سے بنتی ہے

(۲) نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، اصحابِ کرام اور اولیائے عظام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی سیرتِ طیبہ کو پڑھیں یا سنیں۔ پھر اپنی اولاد کو ان کی زندگی کے نماز کی پابندی کے قصے وقتاً فوقتاً کھانے یا ناشتے یا جب ان کو اچھے مزاج میں پائیں، سنائیں۔ جب ان اچھے اچھے قصوں میں ان کی دلچسپی و رغبت دیکھیں، تو آہستہ آہستہ انہیں نماز پڑھنے کے لئے آمادہ کریں۔ اور چونکہ نفس اس عظیم عبادت کی ادائیگی کے لئے فوراً آمادہ نہیں ہوگا، اس لئے اس میں جلدی نہ کریں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے فرمایا:

وَأْمُرْ اَهْلَكَ بِالصَّلٰوةِ وَاصْطَبِرْ عَلَيْهَا ۔ [پارہ:۱۶-طٰہٰ:۱۳۲]

ترجمہ: اپنے اہل وعیال (اور اپنے ماتحتوں) کو نماز کا حکم دیجئے اور اس پر صبر وتحمل سے کام لیجئے۔ (یعنی قنوطیت ومایوسی کا شکار بھی نہ ہو اور جلدی بھی نہ کرو۔)

لالچ دے کر نماز پڑھوائیں

(۳) جب بچے آٹھ نو سال کے ہو جائیں، تو انہیں نماز جیسی عبادت پر آمادہ کرنے کے لئے حکم وسختی کے ساتھ کچھ لالچ بھی دینا چاہئے۔ جیسا کہ بہت سے بزرگوں کے بارے میں بیان کیا جاتا ہے کہ ان کے ماں باپ نے طرح طرح کی چیزوں کی رغبت ولالچ دلا کر انہیں نماز پڑھوائی۔ حضرت بابا فرید الدین گنج شکر رضی اللہ عنہ کے بارے میں بھی اسی طرح کا واقعہ مشہور ہے۔ اور حدیث میں بھی آیا ہے: جب بچے سات سال کے ہو جائیں تو انہیں نماز کا حکم دو، اور جب دس سال کے ہو جائیں تو ان پر سختی کرو۔

بچوں کو اس طرح کا لالچ دے کر بھی نماز کا عادی بنایا جا سکتا ہے کہ اگر تم پابندی سے نماز پڑھو گے تو امتحان میں پاس ہو جاؤ گے، اچھے نمبر لاؤ گے، تمہاری دعائیں قبول ہوں گی، اچھی نوکری مل جائے گی، اچھا کاروبار ملے گا اور تم ترقی کرو گے وغیرہ۔ اور بھی بہت سے طریقے ہیں رغبت دلانے کے۔ ایسے ہی اپنی اولاد کو سفر اور بیماری میں نماز پڑھنے کے طریقے اور احکام سکھائیں۔ اسی طرح گھر میں اگر چند بچے ہوں تو ایک بچہ سے اذان کہلوائیں پھر ان میں سے ایک کو امام بنا کر جماعت سے نماز پڑھوائیں۔

نماز کی اہمیت بتائیں

(۴) استاذ اور ماں باپ بار بار اپنی اولاد اور ماتحتوں کے سامنے نماز کے متعلق ایسی باتیں بیان کریں، جن سے ان کے دلوں میں نماز کی قدر و قیمت اور

اہمیت مضبوطی سے بیٹھ جائے۔انہیں میں یہ ہے کہ ان سے نماز کے بارے میں بار بار پوچھتے رہیں،تم نے نماز پڑھی یا نہیں۔اگر سفر میں کہیں جانا ہو،تو واپسی پر ان سے نماز کے متعلق سوال کریں۔کبھی اپنے ساتھ پڑھوائیں۔جب مسجد کے آداب جان جائیں،تو اپنے ساتھ مسجد لے جائیں۔مگر اس طور پر جائیں کہ مسجد میں کسی نمازی کو تکلیف نہ پہنچائیں یا مسجد میں کوئی کھیل کود اور شور وشغب نہ کریں۔کیونکہ ناسمجھ بچوں کو مسجد میں لے جانے سے حدیث میں منع کیا گیا ہے۔

بچوں کی عادت ہوتی ہے

(۵) چار پانچ چھ سال کی عمر کے بچوں کے سامنے نماز پڑھیں۔کیونکہ بچوں کی عادت ہوتی ہے کہ جب وہ ماں باپ وغیرہ کو نماز پڑھتے دیکھتے ہیں،تو خود بھی ان کے دائیں بائیں کھڑے ہوجاتے ہیں۔کبھی ان کو اپنے پہلو میں خود کھڑا کرلیں۔اور بجائے قَولی وزبانی کوشش کے عملی نمونہ پیش کریں۔ننھی سی عمر میں بچوں کے دلوں میں نماز کی محبت پیدا کرنے کا یہ سب سے احسن اور سب سے بہتر طریقہ ہے۔جو لوگ مسجدوں میں نماز پڑھنے کے عادی ہیں، ان کو چاہئے کہ وہ اپنی اولاد اور اپنے ماتحتوں کے سامنے کچھ نفل نمازیں اپنے گھروں میں پڑھا کریں،تاکہ ان کی اولاد اور ان کے ماتحت نماز سے ان کے اس شغف ورغبت کو دیکھ کر اپنے اندر کچھ احساس پیدا کریں اور اپنے آپ کو عبادت کے لئے آمادہ کریں۔ایک کہاوت ہے:بچپن کی تعلیم پتھر کے نقش کی طرح ہوتی ہے۔ بچے ننھی منی عمر میں خالی الذہن اور فارغ القلب ہوتے ہیں، وہ دیکھ سن کر بات کو جلدی قبول کرتے ہیں۔سیدنا حسن بصری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ہمارے پاس بچوں کو لایا کرو، اس لئے کہ ان کے دل

فارغ اور صاف ستھرے ہوتے ہیں۔(یُبْنَیّ)

عملی نمونہ

(۶) لیکن سب سے افضل اور سب سے اعلیٰ ومؤثر طریقہ یہ ہے کہ ماں باپ، استاذ اور دیگر سرپرست اپنی زندگی کا عملی نمونہ ان کے سامنے پیش کریں۔ جب اولاد یا شاگرد اپنے ماں باپ یا استاذ کو اس طرح کی عبادت یا اس طرح کے عمل کا اہتمام کرتے دیکھتے ہیں،تو یہ بات ان کے دل پر اثر کرتی ہے اور وہ اس پر عمل کرنے کی کوشش بھی کرتے ہیں۔اگرچہ کچھ وقت کے بعد ہی سہی۔تو سب سے پہلے استاذ اور ماں باپ کی کوشش یہ ہونی چاہئے کہ ان کے شاگردوں اور ان کی اولاد کے دل ودماغ میں یہ بات بیٹھ جائے کہ، ہمارے استاذ اور ہمارے ماں باپ کے نزدیک نماز کی بہت قیمت اور بہت اہمیت ہے۔

آہ! آج فسوس تو اسی بات کا ہے کہ اس دور کے استاذ اور ماں باپ کے دلوں میں ہی نماز کی کوئی قدرومنزلت اور کوئی اہمیت نہیں ہے۔

اب سوال اس بات کا ہے کہ استاذ اور ماں باپ اس اہمیت کا احساس اپنے شاگردوں اور اولاد کو کیسے دلائیں؟ تو اس کا طریقہ یہ ہے کہ جب نماز کا وقت آجائے تو جس کام میں بھی مشغول ہوں اس کو چھوڑ کر نماز کی تیاری میں لگ جائیں۔جب اذان کی آواز آئے اور باتوں میں مشغول ہوں تو خاموش ہوجائیں اور مؤذن کا جواب دینا شروع کریں۔اذان کے بعد نماز کی تیاری میں لگ جائیں اور وقت مستحب میں ادئیگی کی کوشش کریں۔اور خدانخواستہ کبھی نماز قضا ہوجائے اور قضا کا علم ماتحتوں کو بھی ہوجائے تو ان قضا نمازوں کو ادا کرنے میں جلدی کریں۔

یہ وہ طریقے ہیں کہ اگر ماں باپ اور استاذ ان کو اپنالیں اور ان پر اپنی پوری عنایات وتوجہات لگادیں تو اولاد اور ماتحت نماز فرض ہونے سے پہلے ہی انشاء اللہ نماز کے عادی ہوجائیں گے۔ اور ان کے دلوں میں ہر وقت نماز کا تصور رہے گا۔

دعا بھی کریں

(۷) اور اگر اس زبانی وعملی جد وجہد اور کوششوں کے بعد بھی ان کو نماز و عبادت کا عادی نہ پاؤ، تو مایوس نہ ہو۔ اپنی طاقت بھر کوشش جاری رکھو اور ساتھ میں ان کی اصلاح کے لئے دعا بھی کرتے رہو۔ کیونکہ ماں باپ کی دعا اولاد کے حق میں مستجاب وقبول ہوتی ہے بلکہ حدیث میں آیا ہے: ماں باپ کی دعا اولاد کے حق میں ایسے ہی قبول ہوتی ہے، جیسے نبی کی دعا امتی کے حق میں۔

نماز کا عظیم نکتہ

ہم اپنی اولاد اور ماتحتوں بلکہ پوری ملت کو اس عظیم نکتہ سے بھی نماز کی رغبت دلا سکتے ہیں کہ، مولیٰ کریم نے دین و دنیا میں اِس امت کے عروج وارتقا کو اِقامت صلوٰۃ میں مضمر وپوشیدہ کردیا ہے۔ جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

اَلصَّلٰوۃُ مِعْرَاجُ الْمُؤْمِنِیْن۔

(صحیح و درست اور وقت پر) نماز (پڑھنا) مؤمن کے (دین ودنیا میں) عروج وارتقا کا اعلیٰ ذریعہ ہے۔

آج ہماری قوم دین ودنیا کی ترقی کے عظیم وسیلہ کو چھوڑ کر پستی کی طرف جا رہی ہے۔ مولیٰ کریم ہم سب کو اور ہماری اولاد کو مقیم الصلوٰۃ بنائے۔

دعائے خلیل

اس سے پہلے ہم بیان کرآئے ہیں، کہ: حضورِ قلب اور خشوع وخضوع کے ساتھ نماز کو نماز کی طرح سے ادا کرنے کیلئے انسان کوشش کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے دعا بھی کرے۔ جیسا کہ ہمیں ہر نماز کی ہر رکعت میں سورۂ فاتحہ میں (اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَ اِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ) کے اندر عبادت کی دعا کے ساتھ ساتھ عبادت کی ادائیگی کے لئے اللہ تعالیٰ سے اعانت اور مدد طلب کرنے کا بھی حکم دیا گیا ہے۔ اِیَّاکَ نَعْبُدُ عبادت کی دعا ہے اور اِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ میں عبادت اور دین ودنیا کے کام آسانی سے بننے کے لئے طلبِ عون ومدد ہے۔ عبادت کے وظیفہ خاص طور سے نماز جیسی اہم عبادت کو بندہ از خود بحسن وخوبی ادا کرے، یہ ممکن نہیں۔ جب تک کہ معبودِ حقیقی کی مدد شامل نہ ہو۔ جیسا کہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام خود اللہ پاک کی بارگاہ میں عرض کرتے ہیں:

رَبِّ اجْعَلْنِیْ مُقِیْمَ الصَّلٰوۃِ وَمِنْ ذُرِّیَّتِیْ۔ (ابراہیم:۴۰)

ترجمہ: اے میرے رب! مجھے صحیح اور درست نماز ادا کرنے والا بنادے اور میری اولاد کو بھی۔

دیکھو وہ نبی، رسول، خلیل اللہ بانئ کعبہ اور نمازوں کا پابند ہونے کے باوجود شب وروز اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اقامت صلوٰۃ کی دعا کررہے ہیں۔ اس آیت میں مقیم الصلوٰۃ کے ذریعہ اس بات کی بھی دعا کررہے ہیں کہ ہم ہمیشہ نماز ادا کرتے رہے ہیں۔

ہمارے آقا ﷺ بھی اسی لئے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں:

يَا مُقَلِّبَ الْقُلُوْبِ ثَبِّتْ قُلُوْبَنَا عَلٰى دِيْنِكَ۔

سے دعا کرتے رہتے تھے۔ کہ دین وعبادت پر ثابت وقائم رہنا رب کی مدد کے بغیر ممکن نہیں۔ اور اسی لئے ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس دعائے خلیل کو ہماری نمازوں کا جز بنا دیا۔ کہ ہم اپنی نماز میں دُرودِ ابراہیمی کے بعد دعائے ابراہیمی (رَبِّ اجْعَلْنِيْ مُقِيْمَ الصَّلٰوةِ وَمِنْ ذُرِّيَّتِيْ الیٰ آخرہ) پڑھا کریں۔

یہ دعا ان ماثورہ دعاؤں میں سے ہے جن کا نماز میں پڑھنے کا حکم ہے۔

دیکھو یہ ان لوگوں کو دعا کرنے کا حکم دیا جا رہا ہے، جو نماز پڑھتے ہیں۔

کیونکہ ہمیشہ صحیح اور درست نماز پڑھتے رہنا اللہ تعالیٰ کی مدد کے بغیر ممکن نہیں۔

اس دعا میں اپنے لئے دعا کے ساتھ ساتھ اولاد کے لئے بھی صحیح اور درست نماز کی ادائیگی کے لئے دعا کا حکم ملتا ہے۔

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ حکم خداوندی: وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتّٰى يَاْتِيَكَ الْيَقِيْنُ (پارہ: ۱۴۔ الحجر: ۹۹) پر عمل خداوند قدوس کی مدد کے بغیر ممکن نہیں۔ کیونکہ یہ معمولی نعمت نہیں کہ انسان آخری سانس تک اللہ تعالیٰ کی اطاعت وبندگی میں لگا رہے۔ اور اگر اس کی زندگی کل کی کل طاعت وبندگی میں گزر گئی، تو جان لو کہ اس نے دنیا کی بہت بڑی دولت حاصل کر لی۔

تین دولتیں

حضرت ابوبکر واسطی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: تین چیزیں ایسی ہیں کہ خوش بخت اور سعادتمند مومن کے لئے ان سے بڑی کوئی دولت نہیں۔ اگرچہ دنیا دار اپنے لئے کسی بھی فانی چیز کو بڑی دولت تصور کریں۔

(۱) **دولةٌ فی الحیاۃ** (زندگی کی دولت): اور وہ یہ ہے کہ انسان کی زندگی اللہ تعالیٰ کی اطاعت وفرمانبرداری میں گزر جائے۔

(۲) **دولةٌ عند الموت** (موت اور رخصتی کے وقت کی دولت): اور وہ یہ ہے کہ اس کا خاتمہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ پر ہو جائے۔

(۳) **دولةٌ یوم القیامۃ** (قیامت کے دن کی دولت): اور وہ یہ ہے کہ جب انسان قیامت کے دن اپنی قبر سے نکلے، تو خدا کا فرشتہ اس کے پاس جنت کی بشارت لے کر آئے۔ (روح البیان)

مولیٰ کریم ہمیں آپ کو تینوں دولتیں عطا فرمائے۔ آمین

حضرت لقمان کی ایک اور وصیت

حضرت لقمان نے اپنے بیٹے کو اقامتِ صلوٰۃ کی وصیت کے بعد ایک اور اہم کام کی وصیت ونصیحت فرمائی۔ اور وہ اہم کام ہے: اَمر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے لئے اپنے آپ کو مستعد اور تیار کرنا۔ جو خاص ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امت کا شعار ہے اور دنیا میں اس کی عزت کا معیار اور عقبیٰ میں بخشش ونجات کا مدار بھی۔

امر بالمعروف اور دعوت حق اس امت کا وہ شعار اعظم تھا، جس کی وجہ سے اس امت نے ربِّ کائنات سے خیرِ امت کا خطابِ عظیم اور تمغہ پایا۔

مولیٰ کریم نے اسی امت کی شان میں تو فرمایا:

كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ۔ (پارہ: ۴۔ آل عمران: ۱۱۰)

ترجمہ: تم سب سے بہتر امت ہو جسے لوگوں میں ظاہر کیا گیا، کہ تم لوگوں

کو بھلائی کا حکم دیتے ہو اور برائی سے روکتے ہو اور اللہ پاک پر ایمان رکھتے ہو۔

امر بالمعروف اور دعوتِ حق کی شان و اہمیت تو دیکھو، کہ اس آیت مبارکہ میں اس عظیم ذمہ داری کو ذکر و بیان میں اس ایمان پر مقدم کیا گیا، جو دین کی اساس و بنیاد ہے۔

اس امت کی پہچان

صحیح بات یہ ہے کہ یہ اہم کام (امر بالمعروف اور دعوتِ حق) اس امت کی اصل پہچان ہے۔ اور اس امت کی ایک پہچان یہ بھی ہے کہ یہ امت خیر، بھلائی اور اصلاحِ انسانیت کے لئے ہمیشہ کوشاں رہے گی۔ یہ وہ خاموش امت نہیں ہے، جو معصیت و گناہ دیکھتی رہے اور خاموش رہے۔ اس فریضۂ دعوتِ حق اور امر بالمعروف کو جن امتوں اور جن قوموں نے چھوڑ دیا، وہ یا تو صفحۂ ہستی سے ختم کردی گئیں اور ان کے نام و نشان مٹ گئے یا ضعف و کمزوری کا شکار ہو کر مغلوب ہوگئیں اور دوسری قوموں کی غلام بن گئیں۔ ان کا رعب و دبدبہ جاتا رہا اور ان کی عزت و وقار خاک میں مل گیا۔ مولیٰ کریم نے اِس امر بالمعروف اور دعوتِ حق کا فریضہ ادا کرنے پر اپنی مدد و نصرتِ عظیمہ کا وعدہ فرمایا ہے۔ چنانچہ سورۂ حج کی آیت نمبر (۴۰) مولیٰ کریم کے اسی وعدہ کو یاد دلا رہی ہے۔

وَلَيَنصُرَنَّ اللّٰهُ مَن يَنصُرُهُ ۗ إِنَّ اللّٰهَ لَقَوِيٌّ عَزِيزٌ (پارہ:۱۷)

اور اللہ رب العزت اس شخص کی ضرور مدد فرمائے گا، جو (دعوتِ حق اور امر بالمعروف کے فریضہ کو انجام دے کر) اس کے دین کی مدد کرے گا۔ بلا شبہ یقیناً اللہ تعالیٰ قدرت والا غالب ہے۔

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا مطلب

ہمارے سماج یا گھر کے بڑے لوگ صرف چلتے چلتے رواروی میں اپنی اولاد اور ماتحتوں سے اتنا کہہ دیتے ہیں کہ اچھے کام کرو، نماز پڑھو اور برے کاموں سے دور رہو۔ اور صرف اس زبانی کہنے ہی کو وہ کافی سمجھتے ہیں۔

اسی طرح بہت سے مقرر و خطیب رات بھر اسٹیج پر چوکے چھکے مارتے رہتے ہیں اور آخر میں چلتے چلتے بھائیو! نیکیاں کرو اور گناہ سے بچو کہہ کر لفافے لئے اور چلتے بنے۔ جب کہ برائیوں سے روکنے اور بھلائیوں کے راستے پر چلانے کے لئے ان کی جد و جہد اور کوشش کچھ نہیں۔

بلکہ ہمارے سماج میں اچھے، نیک، حاجی، نمازی، گھر کے صاحبِ اختیار حضرات کے گھروں میں شادی بیاہ اور دیگر سماجی تقریبات کے موقعہ پر ناچ گانے، باجے تماشے، ڈی جے، ڈانس، قوالی وغیرہ خرافات اور حرام و ناجائز کام ان کے ماتحت لوگ یہ سب کچھ کرتے ہیں، تو وہ یا تو یہ سب کچھ دیکھ کر چپ رہتے ہیں، یا سماج میں اپنی عزت بچانے کے لئے صرف اوپر سے ہی زبانی طور پر منع کرتے ہیں۔ اور اپنے اختیار کا استعمال اور جد و جہد بالکل نہیں کرتے۔ پھر مسجد مدرسہ میں بیٹھ کر کہتے ہیں: ہم نے بہت منع کیا مگر بچے نہیں مانے۔

کیا یہ لوگ اس کی پکڑ سے بچ جائیں گے؟

کیا یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے یہاں اس کی پکڑ سے اتنا کہنے سے بچ پائیں گے؟ ہرگز نہیں۔ کیونکہ قرآن نے جو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو اس امت کا خاصہ

اور علامت بتایا ہے، وہ خدا کے اوامر واحکام اور اس کے نواہی کو صرف پڑھ کر سنا دینا یا بتا دینا نہیں ہے۔ بلکہ گھر، خاندان اور سماج کی اصلاحِ حال اور برائیوں سے پھیر کر نیکیوں کی راہ پر چلانے اور نیک راستہ پر ڈالنے کے ایک حسین اورا چھے طریقہ کا نام ہے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر۔ اور اس طریقہ پر چلنا اور عمل کرنا ہر اس فرد کی ذمہ داری ہے، جو اصلاح کر سکتا ہو، دعوت حق دے سکتا ہو، خیر وبھلائی کی طرف بلا سکتا ہو اور شر، فتنہ، گناہ ومعصیت اور ذلت کے راستوں سے بچا سکتا ہو۔ اس لئے قرآن کریم کی طرف سے ابتداء تو یہ مطالبہ پوری امت سے کیا گیا ہے۔ (کنتم خیر امۃ) یہ جملہ اس بات کو ظاہر کر رہا ہے کہ ہر فرد اپنی لیاقت، اپنی طاقت، اپنے علم اور اپنے اختیار کے مطابق اس فریضہ کو ادا کرنے میں کوشش جاری رکھے۔ چاہے وہ ماں باپ ہوں یا اداروں کے استاذ ومعلم یا مسجدوں کے امام ومؤذن اور متولی ونگراں یا سلسلوں کے مرشد وپیر۔ جو اپنے اس فریضہ کی ادائیگی میں کوتاہی کرے گا، وہ اپنی طاقت واختیار کے اعتبار سے قیامت میں جواب دہ ہوگا۔

یہ کام صرف عالموں ہی کا نہیں ہے

ہمارے سماج میں بہت سے صاحبِ اختیار اور صاحب اقتدار لوگ برے کاموں کو دیکھتے ہوئے یہ کہہ کر گزر جاتے ہیں: یہ روکنا منع کرنا ہمارا کام نہیں ہے عالموں کا ہے۔ ایسے لوگ صریح خطا پر ہیں۔ صحیح بات یہ ہے کہ یہ کام امت کے ہر فرد کا ہے۔ مسلم شریف کی اس حدیث کو پڑھئے پھر غور کیجئے۔ اللہ پاک کے حبیب ﷺ فرماتے ہیں:

مَنْ رَاٰى مِنْكُمْ مُنْكَرًا فَلْيُغَيِّرْهُ بِيَدِهٖ۔ جب تم سے کوئی ناجائز و برا کام دیکھے، تو اس پر لازم ہے کہ اس کو اپنے ہاتھ سے بدل دے۔

یعنی شر کی جگہ پر خیر کو پیدا کرنے کی کوشش کرے اور اگر ہاتھ سے بدلنے کی طاقت نہیں رکھتا ہے تو زبان سے منع کرے ورنہ کم از کم دل سے تو اسے برا جانے۔ اور یہ ایمان کا سب سے کمزور درجہ ہے۔

اب یہاں غور کریں! اللہ تعالیٰ کے حبیب ﷺ نے **منکم** فرمایا اور قرآن پاک میں **کنتم** آیا۔ **کنتم** بھی جمع کا صیغہ اور **منکم** بھی۔ تو یہ جمع کے صیغے بتا رہے ہیں کہ یہ کام کسی ایک فرد کا نہیں ہے بلکہ پوری امت کا ہے۔ لیکن اپنے مقام ومرتبہ کے مطابق۔ صاحبِ اقتدار اور صاحب اختیار، جنہیں گھر سماج میں اختیار حاصل ہے، وہ ہاتھ سے بدلنے کی کوشش کریں۔ جو یہ اختیار وقدرت نہیں رکھتے ہیں، وہ زبان سے منع کریں، جیسے علما وائمہ۔ مگر زبان سے بھی اس حد تک منع کریں گے، جس سے کوئی فتنہ وفساد کھڑا نہ ہو۔ یا جس شر یا گناہ سے روک رہے ہیں، اس سے بڑی شر یا گناہ پیدا نہ ہو۔

لیکن آج کل جو مرشد اور پیران زمانہ کہلاتے ہیں عوام اور مریدین ومعتقدین یقینی طور پر اپنے دل میں ان کی عقیدت رکھتے ہیں، جس کی وجہ سے وہ ان کی بات سنتے بھی ہیں اور عقیدت کی بنیاد پر مانتے بھی ہیں۔ ان حضرات پر تو یہ فریضہ اہم سے اہم تر ہو جاتا ہے۔ اب رہے وہ لوگ جو نہ اقتدار رکھتے ہیں، نہ علم ولیاقت، نہ ہاتھ سے روک سکتے ہیں، نہ زبان سے منع کر سکتے ہیں ان کے لئے بھی لازم یہ ہے کہ دل سے ان کاموں کو برا جانیں اور ان معصیت وگناہ کے کاموں میں نہ شامل ہوں اور نہ کرنے والوں کی ہاں میں ہاں ملائیں۔

خیال رہے!

حدیث میں ایک لفظ **فلیغیرہ** ہے۔ یہ **یُغَیِّرُ، تَغْیِیْرٌ** سے بنا ہے۔ اس کا معنی ہے بدلنا، چینج کرنا۔ اس کا مطلب ظاہر ہے کہ صرف اچھی بات سنانا اور برائی سے روکنا اس فریضہ سے بری الذمہ ہونے کے لئے کافی نہیں ہے۔ بلکہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا مطلب ہے: اپنے گھر اور اپنے سماج و معاشرہ کے ماحول کو اس طور پر بدل دیا جائے، کہ معاشرہ شر و فساد اور معصیت و گناہ سے نیکیوں اور بھلائی کی طرف آجائے۔ کیونکہ معروف کا معنیٰ ہے: ہر وہ اچھی بات یا اچھا کام، جو شرع اور عقل سلیم کو محبوب و پسند ہو اور بندہ کو اللہ تعالیٰ تک پہنچاتا ہو۔ اور مُنکَر سے مراد ہے: ہر وہ بری بات یا برا کام جسے شریعت اور فطرتِ سلیمہ پسند نہ کرے اور بندہ کو خدا سے دور کرتا ہو۔

ایک دو جلسے کافی نہیں

اس کام کو انجام دینے کے لئے رات و دن جد جہد کوشش جاری رکھنا ہے جیسا کہ رسول اللہ ﷺ اور ان کے نائبوں نے کیا۔ صرف امر و نہی کرنا یا سنانا یہ تبدیلی ماحول کے لئے کافی نہیں۔ جیسا کہ ہمارے سماج میں ایک یا دورات کے جلسوں اور کانفرنسوں میں لاکھوں روپیہ برباد کر کے خواص و عوام یہ سمجھتے ہیں کہ ہم نے شریعت کا بڑا فرض انجام دیا ہے۔ ارے! پیارے آقا ﷺ کے صحابہ اور اولیاء اللہ کو دیکھو انہوں نے اس کام کو انجام دینے کے لئے رات دن ایک کر دیئے، تب کہیں جا کے ماحول میں انقلاب پیدا ہوا۔

یہ انقلاب چاہے مقرر اپنی تقریر سے یا مصنف اپنی تصنیف و تالیف سے یا مدرس اپنے درس و تدریس سے، دولت مند اپنے مال و دولت سے یا صاحبِ اختیار اپنے اقتدار و اختیار سے، مرشدانِ زمانہ اور صوفیائے وقت اپنے عمل و کردار سے یا پھر عابدین شب زندہ دار اپنی شب خیزیوں، سحر کی آہوں اور مخلصانہ دعاؤں سے مگر آہ! اب ایسے لوگ کہاں رکھے ہیں؟ ع

جو دیا کرتے تھے دوائے دل وہ دکان اپنی بڑھا گئے

یہ کام کہاں سے شروع کریں؟

لیکن امر بالمعروف، نہی عن المنکر اور دعوتِ حق کے کام کا آغاز و شروعات انسان کو اپنی ذات سے کرنا چاہئے۔ انسان کو چاہئے کہ وہ سب سے پہلے شب و روز اپنا محاسبہ کرے، معروف، نیکیوں اور اچھے کاموں پر پہلے اپنے نفس کو آمادہ کرے اور اپنے آپ کو منکر اور برے کاموں سے بچائے۔ کیونکہ دعوتِ حق کا کام اخلاص اور خیر خواہی پر مبنی ہوتا ہے۔ تو یہ اخلاص اور خیر خواہی انسان کو سب سے زیادہ اپنی ذات کے ساتھ ہونا چاہئے۔ دوسرے اس لئے کہ قولِ بلا عمل کی قرآن و حدیث میں شدید مذمت آئی ہے۔ اللہ پاک فرماتا ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لِمَ تَقُولُونَ مَا لَا تَفْعَلُونَ - كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ أَنْ تَقُولُوا مَا لَا تَفْعَلُونَ۔ (پارہ:۲۸۔الصّف:۳۔۲)

ترجمہ: اے ایمان والو! وہ بات کیوں کہتے ہو جو خود نہیں کرتے۔ اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ ناراض کرنے والا کام یہی ہے کہ تم (دوسروں سے) وہ بات کہو جو تم خود نہ کرتے ہو۔

ایک جگہ اور فرمایا: اَتَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَ تَنْسَوْنَ اَنْفُسَكُمْ ۔
(پارہ:۱-البقرۃ:۴۴)

ترجمہ: کیا تم دوسروں کو بھلائی کا حکم دیتے ہو اور خود کو بھلائے بیٹھے ہو۔

پھر اہل وعیال

خود کی اصلاح کے بعد انسان اپنی اولاد، اپنے اہل وعیال اور اپنے ماتحتوں کی طرف متوجہ ہو۔ اور ان کی اصلاح کرے، ان کا حال بدلنے کی کوشش اور جدو جہد کرے اور ان کو شر و معصیت و گناہ سے خیر و بھلائی کی طرف لائے۔

اس نکتہ سے وہ لوگ نصیحت حاصل کریں جو جماعتوں اور قافلوں میں جا جا کر دوسروں کی اصلاح کیلئے بہت خیر خواہی اور ہمدردی ظاہر کر رہے ہیں اور اپنے بیوی بچوں، اہل وعیال اور اپنے اہلِ خانہ کو بھلائے بیٹھے ہیں۔ شاید اسی لئے امر بالمعروف اور دعوتِ حق آج اپنی مقصدیت کھو بیٹھا ہے۔

اگر وہ تبلیغ دین اور دعوتِ حق کا کام فریضۂ الٰہی سمجھ کر اخلاص خیر خواہی کے ساتھ کرتے ہوتے، تو ضرور یہ کام پہلے اپنے اہل وعیال اور اپنے اہل خانہ سے شروع کرتے۔ کچھ تو ہے جس کی پردہ داری ہے! بہر حال ہم ظاہر کے مکلف ہیں، اس لئے کسی انسان کی نیت پر حملہ نہیں کرتے۔ لیکن اتنا تو ضرور ہے: انسان کا ظاہر اس کے باطن کی غمازی کرتا ہے۔

فقہ سے قریب

قرآن وحدیث کی جس آیت وحدیث میں بغیر عمل دوسرے کو نصیحت کرنے

کی مذمت آئی ہے، ان کا منشا و مقصد امر بالمعروف، نہی عن المنکر اور دعوتِ حق سے روکنا نہیں، بلکہ اس سے شریعت کا مقصد و مطلب یہ ہے کہ: وہ جس چیز کی دعوت دے رہا ہے، اس کا خود بھی عامل ہو جائے۔

ورنہ فقہ سے قریب تو یہی ہے کہ انسان اگرچہ خود گناہ میں مبتلا ہو، تب بھی دوسروں کو گناہ سے روکے۔ تاکہ دو گناہوں کا کرنے والا قرار نہ پائے۔ یعنی ایک گناہ خود کے گناہ کرنے کا اور دوسرا گناہ دوسرے کو گناہ کرنے سے نہ روکنے کا۔

بہر حال ایک انسان (معاذ اللہ) خود شراب پی کر دوسروں کو شراب نوشی سے منع کر رہا ہے، اور ایک خود پی رہا ہے اور دوسروں کو منع نہیں کر رہا ہے، تو اِس سے بہتر وہی ہے جو پی کر دوسروں کو شراب پینے سے روک رہا ہے۔

ایک عظیم نکتہ

حضرت لقمان کی مذکورہ بالا وصیت اور وہ آیت مبارکہ جس میں ہمیں خیرِ امت کے عظیم خطاب سے نوازا گیا ہے، دونوں میں **معروف** اور **مُنْکَر** کا ذکر ہے، حلال وحرام کا نہیں۔ یعنی یہ نہیں فرمایا گیا ہے کہ حلال کا حکم دے اور حرام سے روکے۔ بلکہ دونوں آیتوں میں فرمایا: معروف یعنی بھلائی کا حکم دے اور مُنکر یعنی برائی سے روکے۔ جس شریعت کا ہمیں عامل و داعی بتایا جا رہا ہے، ہمیں چاہئے کہ ہم اس کی وسعتوں پر غور کریں۔ کتنا عظیم ہے ہمارا دین! کتنی وسعتیں ہیں ہمارے دین میں! کہ اس کی وسعتیں دنیا و آخرت دونوں زندگیوں کو شامل ہیں۔ دونوں جہاں کی کامیابیاں اور سعادتیں حاصل کرنے کے طور طریقے ہمارے دین میں بیان کر دیئے گئے ہیں۔ تو ہم پر لازم ہے کہ ہم ان تمام طور طریقوں، عادات و

آداب کی دعوت دیں، جن میں دونوں جہان کی سعادت وخوش بختی شامل ہے۔

ان دونوں آیتوں میں یہی عمومیت ووسعت پائی جاتی ہے۔ کیونکہ معروف و منکر کا تعلق عقائد وعبادات سے بھی ہے اور معاملات واخلاقیات سے بھی۔ یعنی انسان اپنے عقائد وعبادات اور معاملات واخلاقیات میں کوئی ایسی منکر وممنوع یا ناپسندیدہ چیز شامل نہ ہونے دے، جو اللہ تعالیٰ اور اس کے بندوں کو ناپسند ہے۔ اور انہیں عقائد وعبادات اور معاملات واخلاقیات میں ہر وہ طریقہ، ہر وہ ادب اختیار کرے، جو شریعت کو محبوب ومطلوب ہو یا اللہ تعالیٰ اور اس کے بندوں کو محبوب ہو۔ اب یہ چیز فرائض سے لیکر مستحبات تک کو شامل ہے۔

دین رسموں کا نام نہیں

مگر افسوس اس بات کا ہے! ہماری قوم کے بہت سے لوگوں نے آج چند عبادات (نماز، روزہ) اور چند رسموں (نیاز، فاتحہ، چادر وگاگر اور عرس وغیرہ) ہی کو دین سمجھ لیا ہے۔ کچھ لوگوں نے یہ تصور کرلیا ہے کہ دعوتِ حق صرف عالم اور مولوی کا کام ہے۔ یہ دونوں تصور اور سوچیں باطل اور بہت خطرناک ہیں، جو امت کو ہلاکت وبربادی کی طرف لے جارہی ہیں جبکہ امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: یہ ارکان وعبادات دین کا دسواں حصہ ہیں۔

یعنی دین کے باقی نو حصے حسنِ اخلاق اور حسن معاملات وغیرہ میں پوشیدہ ہیں۔ معاملات میں ہماری قوم کا جو حال ہے، سب جانتے ہیں۔ اور اخلاقیات میں عالم یہ ہے کہ امانت، دیانت، صداقت اور اخلاص وتواضع کی جگہ جھوٹ، خیانت، دھوکہ بازی، ریاکاری، مکاری وغیرہ رذیل عادات نے لے لی ہے۔

اور دوسرا تصور اس لئے باطل ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے:

كُلُّكُمْ رَاعٍ وَ كُلُّكُمْ مَسْؤُلٌ عَنْ رَعِيَّتِهٖ۔

تم میں سے ہر شخص ذمہ دار ونگراں ہے اور ہر ذمہ دار ونگراں سے اس کے ماتحتوں کے بارے میں قیامت کے روز پوچھا جائے گا۔

اس حدیث سے سبق ملتا ہے کہ ملت کے ہر فرد (عالم ہو، طالب علم ہو، مرشد ہو، مربی ہو، طالب ہو، مرید ہو، ماں باپ ہوں، استاذ ومعلم ہوں، ملازم ہو یا مزدور ہو کوئی ہو ہر ایک) کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ دعوتِ حق اور امر بالمعروف یعنی ماحول کی تبدیلی کے لئے کھڑا ہوجائے۔ تاکہ قیامت میں جواب دہی سے بچ سکے۔

ہر شخص کو چاہئے کہ سماج ومعاشرہ کی اصلاح وتبدیلی سے پہلے اپنی اصلاح کرے پھر اپنی حیثیت کے مطابق دوسروں کی۔ تبھی سماج ومعاشرہ کی اصلاح ہو سکتی ہے۔ یہ ایک دن کی اصلاحِ معاشرہ کی کانفرنسیں اور جلسے ایک افیم کی گولی سے زیادہ اثر نہیں رکھتے ہیں۔ اور آج کے جلسے تو وہ اثر بھی کھو بیٹھے ہیں۔

یہ کام تدریجاً کرے

اوپر ہم نے بیان کیا کہ دعوتِ حق اور راہِ ہدایت دکھانے کا کام ہر فرد کرے۔ ہر موقعہ اور ہر مقام پر کرے۔ اور جو اعمال وحرکات اللہ تعالیٰ کی معصیت ونافرمانی اور ملت کو ذلت ورسوائی کی طرف لیجانے والے ہیں، ان سے ہر شخص کو روکا جائے۔ لیکن نرمی اور پیار ومحبت سے۔ تو یقیناً کل امت امتِ خیر ہوگی اور خیر کی طرف داعی بھی ہوگی۔ یہی منشائے الٰہیہ بھی ہے۔ ہمارا مولیٰ کریم یہی چاہتا ہے کہ ہم امت خیر اور داعی الی الخیر بنیں۔

اس انکار و تنکیر میں اس چیز کا بھی لحاظ رکھا جائے کہ جو عمل بہت زیادہ قبیح اور برا ہو، پہلے اس سے روکا جائے۔ کیونکہ اعمالِ حسنہ ہوں یا افعال ممنوعہ ہر ایک کے درجے مقرر ہیں۔ اعمال قبیحہ ممنوعہ میں سب سے بڑا منکر و قبیح شرک و کفر ہے، اس کے بعد بدعت، اس کے بعد حرام اور حرام کے بعد مکروہ تحریمی۔ اسی طرح اعمالِ معروفہ حسنہ میں سب سے اعلیٰ عمل توحید و ایمان ہے۔ جو ہر خیر و بھلائی کی جڑ و بنیاد ہے۔ پھر فرض پھر واجب پھر سنت پھر مستحب پھر مباح۔

اب اگر اعمال ممنوعہ میں کسی کو کفر و شرک یا بدعقیدگی میں مبتلا دیکھو یا مشرکانہ کافرانہ اعمال کرتے ہوئے پاؤ، اور وہی شخص بدعت و حرام میں بھی مبتلا ہے، تو سب سے پہلے کفر و شرک سے روکو، اس کے بعد بدعت و حرام سے روکنے کی کوشش کرو۔ ایسے ہی اگر کوئی بدعت اور حرام کاری میں مبتلا ہے تو پہلے اسے بدعت سے روکو پھر حرام کاری سے۔

اور اعمال حسنہ میں جب کسی کو فرض و واجب اور سنت ترک کرتے ہوئے پاؤ، تو پہلے اس کو فرض کی ادائیگی پر آمادہ کرو۔ جب فرض کا عادی بن جائے، تو واجب اور سنت کی ادائیگی پر آمادہ کرو۔

داعی کی بصیرت

ایسے ہی درجہ بدرجہ آہستہ آہستہ جو اہم اور ضروری ہے، پہلے اس کی دعوت دی جائے۔ جب اس پر عامل ہو جائے، تو اس سے کم درجہ والے کی طرف بلائے۔ یہ داعی اور خیر کی طرف بلانے والے کی وصیت بصیرت پر موقوف ہے کہ سامنے والے کی طبیعت کس عمل کو آسانی سے قبول کرلے گی۔ جس عمل کو اس کی

طبیعت آسانی سے قبول کر لے، پہلے اسی کی دعوت دے۔ کیونکہ بعض طبیعتیں سہل طلب ہوتی ہیں، وہ آسان کاموں کو جلدی قبول کر لیتی ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کریم مولیٰ بھی چھوٹی نیکی کی برکت سے بڑی نیکی کی توفیق عطا کر دیتا ہے۔ نیکیوں کی برکت سے نیکیوں کی توفیق ملتی ہے۔ جس طرح انسان چھوٹے گناہ کی نحوست سے بڑے گناہ میں مبتلا کر دیا جاتا ہے اور گناہ و معصیت کی نحوست سے نیکیوں سے محروم اور گناہوں میں مبتلا کر دیا جاتا ہے۔

اسی طرح منکرات اور ناجائز و حرام اعمال میں جو سب سے بدتر ہے پہلے اس سے روکنے کی کوشش کی جائے، پھر اس سے کمتر سے، پھر اس سے کمتر سے۔ لیکن یہاں بھی اُسی نکتہ کا خیال رکھا جائے کہ اگر کسی عاصی و بدکار کی طبیعت میں اتنی گندگی پا رہا ہے کہ وہ بڑے گناہ چھوڑنے پر آمادہ نہیں ہو رہا ہے، تو پہلے چھوٹے گناہ سے بچانے کی کوشش کرے۔ کہ اللہ تعالیٰ اسے چھوٹے گناہ سے بچنے کی برکت سے ایک دن بڑے گناہ سے بھی بچا لے گا۔

یہ نہیں کہ فرض و واجب کی طرف کوئی توجہ نہیں اور مستحب و مستحسن کی ادائیگی پر پورا زور صرف کیا جائے۔ جیسا کہ آج کل پوری رات کے جلسے و کانفرنسیں اسی پر ختم کی جا رہی ہیں۔

دعوت حق کا مقصد

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے دو عظیم مقصد ہیں: (ا) جن کو دعوت دی جائے، انہیں ان اعمال و افعال سے بچایا جائے، جن کی وجہ سے عذاب ہو سکتا ہے۔ اور معاشرہ سے شر، فتنہ و فساد اور بے شرمی و بے حیائی کی گندگیوں کو ختم یا کم کیا جائے۔

(۲) خیر و بھلائی اور نیکیوں کے اسباب زیادہ سے زیادہ مہیا کئے جائیں۔

اور یہ عظیم مقاصد اسی وقت حاصل ہوں گے، جب پورا معاشرہ اور اس کا ہر فرد مل کر بلا تفریق اور بلا کسی لڑائی جھگڑے کے کوشش کرے گا۔ اور اس عظیم نکتہ کی طرف اللہ تعالیٰ نے بھی اشارہ فرمایا ہے۔ کہ آیت میں کلمۂ **امت** پوری جماعت کو بتا رہا ہے۔ اس کے بعد جو صیغے (تَأْمُرُوْنَ اور تَنْهَوْنَ) آئے ہیں، وہ بھی سب جمع کے ہیں اور جماعت پر دلالت کر رہے ہیں۔

بلکہ اِس آیت سے پہلے ایک آیت ہے، جس میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا۔

ترجمہ: سب ملکر اللہ تعالیٰ کی رسی کو مضبوطی سے پکڑ لو۔ اور آپس میں پھٹ نہ جانا۔ (فرقوں میں نہ بٹ جانا) (پارہ: ۴۔ آل عمران: ۱۰۳)

(وَلَا تَفَرَّقُوْا) یہ کلمہ تو صاف بتا رہا ہے، کہ آپس میں تفرقہ اور پھوٹ مت ڈالنا۔ مطلب یہی ہے کہ یہ کام اور یہ فریضہ سب ملکر انجام دیں۔ اور اس طور پر انجام دیں کہ اجتماعیت، اتفاق و اتحاد باقی رہے اور آپس میں اختلاف و انتشار پیدا نہ ہو پائے۔

تو دعوت حق کے اس فریضہ کو انجام دینے میں ہر اس چیز اور ہر اس طریقہ سے بچا جائے گا، جو ملت اور اس کے اتحاد کو پارہ پارہ، ٹکڑہ ٹکڑہ کر دے۔ اور امر بالمعروف کے لئے وہی طریقے اپنائے جائیں گے، جو امت کے اجتماع و اتحاد اور آپسی پیار و محبت کو باقی رکھیں۔ جیسا کہ ہمارے بہت سے علما نے دیہات میں۔ جہاں لوگ جمعہ پڑھتے چلے آ رہے ہوں۔ جمعہ بند کرنے سے منع فرما دیا۔ اس خوف سے کہ آپس میں فتنہ و فساد اور انتشار برپا نہ ہو۔

اس کا آسان طریقہ

دعوت و تبلیغ یا امر و نہی کے اس فریضہ کو انجام دینے کا احسن اور بہتر طریقہ یہ ہے اپنے گھر والوں کے دلوں میں خالق و مالک مولیٰ کریم کی عظمت و محبت پیدا کی جائے۔ ان کے سامنے اللہ تعالیٰ کے جلال و عظمت، طاقت و قدرت اور عذاب و عتاب کو اس طور پر بیان کیا جائے، کہ خوف و ہیبت سے ان کے کٹھور دل نرم پڑ جائیں۔ ان کے سامنے خیر، بھلائی اور نیک کاموں کی فضیلت اور ثواب بیان کیا جائے اور اس ثواب کی رغبت سے ان کاموں کی طرف بلایا جائے۔ ایسے ہی معصیت و گناہ کی نحوست اور اس گناہ و معصیت پر ہونے والے عذاب کے بارے میں بتایا جائے۔ وہ آیتیں اور حدیثیں جن میں دوزخ قیامت قبر اور موت وغیرہ کی سختیوں کا بیان ہو، اچھے، آسان اور سہل انداز میں ان کو سنائی جائیں۔ انہیں بتایا جائے کہ جب تم ذرا سے مچھر اور چیونٹی کے معمولی کاٹنے کی تاب نہیں رکھتے ہو، تو قبر اور دوزخ کے اونٹ اور خچر کے برابر سانپ اور بچھوؤں کے ڈسنے کی تاب کیسے لاسکو گے؟

دعوت و تبلیغ کے یہی دو طریقے ہیں: ترغیب اور ترہیب۔ لیکن آج کی گناہوں کی عادی اس دنیا میں ترہیب و تخویف کا طریقہ ہی زیادہ موثر ثابت ہوسکتا ہے۔

حدیث محبت: روایت میں آیا ہے: حضرت سیدنا موسیٰ کلیم اللہ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کو اللہ تعالیٰ نے وحی کی: اے موسیٰ! تم میرے بندوں کے دلوں میں میری محبت پیدا کرو۔ سیدنا موسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عرض کی: اے اللہ تو مُقَلِّبُ الْقُلُوْب ہے۔ تیرے بندوں کے دل تیرے قبضہ وقدرت میں

ہیں، تو اپنے بندوں کے دلوں میں جس کی چاہے اس کی محبت پیدا کر دے۔ ہم تیرے بندوں کے دلوں میں تیری محبت کیسے پیدا کر سکتے ہیں؟ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے موسیٰ! تم میرے بندوں کو میری نعمتیں اور میرے احسانات یاد دلاؤ۔ اس طریقہ سے میرے بندوں کے دلوں میں میری محبت پیدا ہوگی۔ (روح البیان)

اس روایت سے پتہ چلا کہ اللہ تعالیٰ کی نعمتیں، اس کے احسانات اور اس کی نوازشات یاد کرنے سے اس کی محبت دلوں میں جاگزیں ہو جائے گی۔ اور جب اس کی محبت دل میں بیٹھ جائے گی، تو پھر اس کی طاعت وفرمانبرداری سے کوئی چیز رکاوٹ نہیں بن سکتی۔ تو ہمیں چاہئے کہ ہم اس طریقہ سے اپنی اولاد اور اپنے ماتحتوں کو اعمال حسنہ اور نیک کاموں کی طرف بلائیں۔

اس کام کے لئے علم دین بہت ضروری ہے

لیکن اس امر بالمعروف اور دعوتِ حق کے فریضہ کو انجام دینے سے پہلے تَفَقُّہ فِی الدین یعنی دین کی سمجھ، دین کا ضروری علم اور دین کے احکام واعمال کے درجات ومراتب کا جاننا بھی بہت ضروری ہے۔ اور یہ یا تو کسی مدرسہ میں طالب علم کی حیثیت سے داخلہ کرا کے سیکھا جا سکتا ہے۔ یا کسی عالمِ عامل کامل کی صحبت میں رہ کر یہ چیز حاصل کی جا سکتی ہے۔

کیونکہ ایک دعوت دینے والے کو جب تک خود حسنات وسیئات اور اوامر ونواہی کا علم نہ ہوگا، تب تک وہ کسی کو نہ تو اچھے کام کی دعوت دے سکے گا نہ برے کام سے روک پائے گا۔ اور اگر بغیر تفقہ فی الدین حاصل کئے یہ کام کرے گا، تو کبھی ایسا بھی ہوسکتا ہے کہ لاعلمی کی وجہ سے کسی اچھے کام سے روک دے گا۔ اور ایسا بھی ہوسکتا

ہے کہ کسی برے کام سے روکے گا اور اس برے کام سے روک کر اس سے بھی برے کام میں مبتلا کر دے گا۔ ایسی صورت میں اسے نہی عن المنکر نہیں کہا جائے گا۔

اس لئے کہ شارع نے امت کو منکرات اور برائیوں سے روکنے کا حکم اس لئے دیا تاکہ اس نہی سے نیکی اور بھلائی پیدا ہو۔ اور جب اس نہی ومنع سے شر اور فتنہ یا جس گناہ سے روکا جا رہا ہے اس سے بڑا گناہ پیدا ہو رہا ہے۔ جس میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی ناراضگی زیادہ ہے۔ اس طرح کے واقعات حدیثوں میں بہت ملتے ہیں، کہ اللہ پاک کے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قدرت واختیار پانے کے باوجود بہت سے موقعوں پر لوگوں کو چھوٹے چھوٹے منکرات سے منع نہیں فرمایا۔ تاکہ اس سے بڑا منکر وگناہ پیدا نہ ہو جائے۔

انکارِ منکر کے درجات

انکار منکر یعنی برائی سے روکنے کی علما نے چار صورتیں بیان کی ہیں:

(۱) جس برائی سے روکا جا رہا ہے، وہ برائی بالکل ختم ہو جائے گی۔ اور اس برائی کی جگہ پر نیکی ظاہر ہو جائے گی۔

(۲) وہ برائی بالکل تو ختم نہ ہوگی، لیکن کم ہو جائے گی۔

(۳) جس برائی سے روکا جائے گا، اسی کے برابر دوسری برائی پیدا ہو جائے گی۔

(۴) جس برائی سے روکا جا رہا ہے، اس سے بدتر برائی پیدا ہو جائے گی۔

پہلی دو صورتوں میں تو دعوتِ حق یعنی برائی سے روکنا جائز ومشروع ہے۔ بلکہ پہلی صورت میں تو ضروری ہے۔ جبکہ تیسری صورت جس میں، منهی عنه (جس برائی سے روکا جا رہا ہے اسی کے) مثل برائی پیدا ہو رہی ہے، داعی کی

بصیرت پر موقوف ہے۔ غور کرے کہ اس برائی میں مبتلا انسان اور ملت کا فائدہ
کس صورت میں زیادہ ہے، روکنے میں یا نہ روکنے؟ اسی کے مطابق عمل کرے۔
اور چوتھی صورت میں برائی سے روکنا بالکل حرام ہے۔ (یَابُنَیَّ)
دعوت وتبلیغ کے یہ درجات اور صورتیں وہی سمجھ سکتا ہے جس کو تفقہ فی الدین
حاصل ہو۔

حضرت لقمان کی ایک اور وصیت

حضرت لقمان نے اپنے بیٹے کو اقامتِ نماز، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر
کی وصیت کرتے ہوئے ساتھ میں صبر کی وصیت بھی فرمائی۔ کیونکہ صبر ایسا خلق
عظیم اور خصلت حمیدہ ہے، جو دونوں جہان میں فلاح وکامیابی کا عظیم سامان
ہے۔ انسان کی قوت وطاقت اور ہمت وحوصلہ کا سبب ہے۔ بلکہ صبر انسان میں
ایسا وصف ہے جو دوسرے اخلاق حسنہ اور خصلات حمیدہ کی اساس و بنیاد اور
جڑ ہے اور ہر دوسرے خلق حسن میں مؤثر ہے۔ جیسے غربت وتنگ دستی میں صبر،
سخاوت اور مال خرچ کرنے پر صبر، عدل وانصاف میں حق بات کہنے پر صبر، عفوو
معافی میں انتقام و بدلہ لینے پر صبر، اللہ تعالیٰ کی عبادت وبندگی میں نفس کو طاعت
میں لگانے پر صبر، گناہ ومعصیت سے نفس کو روکنے میں صبر۔ غرضیکہ یہ بہت چھوٹا
سا کلمہ ہے، لیکن اس کے معانی ومفاہیم بہت بڑے ہیں۔ اسی لئے حضرت لقمان
نے اپنے بیٹے کو ان کلمات سے صبر کی وصیت فرمائی:

وَاصْبِرْ عَلٰی مَآ اَصَابَكَ اِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ۔

(پارہ:۲۱۔سورۂ لقمان:۱۷)

ترجمہ: (اس راہ میں) تمہیں جو مصیبتیں، پریشانیاں اور دقتیں پہنچیں،
ان پر صبر کرو۔ بیشک یہ بڑے اولوالعزم اور ہمت وحوصلہ والوں کا کام ہے۔
صبر کڑوا ضرور ہے مگر اس کا نتیجہ وثمرہ میٹھا ہوتا ہے۔ کہا جاتا ہے: مقصد میں
کامیابی کی حلاوت وشیرینی، صبر کی کڑواہٹ کو ختم کر دیتی ہے۔ (یَابُنَیَّ)

ایک مثال

شہوت پرست اور خواہش کا غلام انسان اپنی زندگی اللہ تعالیٰ کی نافرمانیوں
میں اپنی خواہشات کو پورا کرنے میں برباد کر دیتا ہے۔ لیکن کیا اب اس کی
خواہشات ولذات اور زندگی کے مزے باقی ہیں؟ نہیں۔ یقیناً وقت کے ساتھ
زندگی کی خواہشات گزر گئیں۔ لیکن وقت کی بربادی کی ندامت وشرمندگی اور اللہ
تعالیٰ کی نافرمانی کا عتاب وعذاب باقی ہے۔ جو اس کے ساتھ جائے گا۔

ثوابِ عظیم کس کو ملا

ایسے ہی جو انسان اپنی خواہشات اور لذتوں کو مار کر اپنی زندگی کے قیمتی وقت
کو اللہ تعالیٰ کی عبادت و بندگی اور لوگوں کے حقوق کی ادائیگی میں صرف کیا۔ اور
اس راہ میں جو محنتیں، مشقتیں، مصیبتیں اور پریشانیاں آئیں، انہیں صبر کے ساتھ
اٹھاتا رہا۔ تو وقت اس کا بھی گزر جاتا ہے، اور اس نے صبر کے ساتھ جو مصیبتیں،
پریشانیاں اٹھائیں تھیں ان کی کڑواہٹ بھی وقت کے ساتھ جاتی رہی۔ لیکن اس
دقت و پریشانی پر صبر کر کے اس نے جو ثوابِ عظیم پایا ہے، وہ باقی ہے۔ اور قبر و
قیامت ہر جگہ اس کے ساتھ رہے گا اور اس کے کام آئے گا۔
شہوت پرست کی لذتیں اور مزے جاتے رہے اور اس صابر کی مصیبتیں اور

پریشانیاں بھی جاتی رہیں۔مگر دونوں کے انجام میں بہت بڑا فرق ہے۔صابر کا انجام راحت ہی راحت، خوشی ہی خوشی اور ابدی سکون۔اور عاصی کا انجام ندامت ہی ندامت، غم ہی غم اور دائمی تکلیف۔

صبر میں خیر ہی خیر

اسی لئے کہا جاتا ہے: صبر کے انجام کو دیکھو۔اس کی وقتی اور عارضی تکلیف کو مت دیکھو۔صبر میں خیر ہی خیر ہے۔

اسی لئے علما نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کی عطایا میں سب سے بڑی عطا صبر ہے۔ اور اس دنیا میں جو بھی کامیاب ہوئے، اسی خصلتِ عظیمہ کو اپنا کر کامیاب ہوئے۔دنیا کی بادشاہتیں، عزتیں بھی اسی خصلت حمیدہ اپنا کر ملیں۔ ولایتیں، معرفتیں اور خداوندِ قدوس کی قربتیں بھی اسی وصف جلیل کے ذریعہ ملیں۔

حدیث میں ہے: جو صبر کرنا چاہے گا، اللہ تعالیٰ اسی کو صبر کی توفیق دے گا۔اور کسی انسان کو صبر سے بہتر، کشادہ اور افضل کوئی اختیار نہیں دیا گیا۔(بخاری و مسلم)

خیر کا خزانہ

حضرت امام حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: صبر، خیر و بھلائی کے خزانوں میں ایک خزانہ ہے۔یعنی اللہ تعالیٰ اسی بندے کو صبر عطا فرماتا ہے جو اس کے نزدیک کریم و مکرم ہوتا ہے۔(یٰبُنَیَّ)

غرض یہ کہ اس وصف عظیم اور خصلت، حمیدہ جلیلہ۔جو خاص عطیۂ ربانی ہے۔ کے بارے میں قرآن و حدیث، تصوف و اخلاق اور سیرت کی کتابوں میں اتنا کچھ بیان کیا گیا ہے، کہ اگر انسان اس کو پڑھ کر اس پر عمل کر لے، تو دین و دنیا کی

ترقی و کامیابی میں دنیا کی کوئی قوت و طاقت رکاوٹ نہیں بن سکتی۔

لیکن یہ چھوٹا سا رسالہ ان ہزاروں واقعات کا متحمل نہیں ہے۔اسی لئے ہم حضرت لقمان کی اس وصیت کے اِن چند کلمات پر ہی اکتفا کر رہے ہیں۔دوسرے یہ کہ یہ حقیر و کم ظرف اس وصفِ عظیم و جلیل کی بیان کی اہلیت و لیاقت بھی نہیں رکھتا ہے۔اگر اس خصلت شریفہ (صبر) کے فضائل و مناقب پڑھنا ہوں، تو حضور پُرنور سیدنا غوث اعظم عبد القادر جیلانی رضی اللہ عنہ کی عظیم کتابوں کا مطالعہ کرو اور حجۃ الاسلام امام محمد الغزالی رحمۃ اللہ علیہ کی کیمیائے سعادت اور احیاء العلوم پڑھو۔

حضرت لقمان کی ایک اور وصیت

حضرت لقمان نے اپنے فرزندِ جلیل کو جو عظیم وصیتیں فرمائیں، ان میں سے ایک ہے: تواضع وانکساری۔یعنی تکبر سے اجتناب اور نفرت۔آپ اپنے بیٹے کو وصیت کرتے ہوئے فرماتے ہیں: وَلَا تُصَعِّرْ خَدَّكَ لِلنَّاسِ وَلَا تَمْشِ فِي الْأَرْضِ مَرَحًا إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُورٍ (پارہ:۲۱-لقمان:۱۸)

ترجمہ: اور لوگوں سے بات کرنے میں اپنے گال (اور گردن) کو ٹیڑھا نہ کر۔اور زمین پر اترا کر مت چل۔ بیشک اللہ کسی اترانے والے اور فخر کرنے والے کو پسند نہیں فرماتا۔

مطلب یہ کہ لوگوں سے تواضع وانکساری کے ساتھ ملو، گھمنڈ اور تکبر سے نہ پیش آؤ اور جب زمین پر چلو تو عاجزانہ چال سے چلو۔اکڑ کر اور اترا کر نہ چلو۔کیونکہ اللہ تعالیٰ تکبر اور فخر والوں کو پسند نہیں کرتا۔غرور و تکبر نہایت حقیر اور ذلیل خصلت ہے۔اس کی حقارت و رذالت کیلئے اتنا ہی کافی ہے کہ: یہ ابلیسی خصلت ہے۔

گناہ خدا کی ناراضگی کا سبب ہے

حسنات اور نیکیاں اللہ تعالیٰ کی قربت ومحبت اور رضا وخوشنودی کا بہترین ذریعہ ہیں۔یعنی اللہ تعالیٰ بندہ کی نیکیوں سے خوش ہوتا ہے اور اسے اپنے قریب کر لیتا ہے۔ایسے ہی معصیت وگناہ اللہ تعالیٰ سے دوری اور اس کی ناراضگی کا ذریعہ ہیں۔بندہ کا گناہ ومعصیت، اپنے خالق ومالک سے انحراف کی علامت ہے۔

گناہ تو بہت ہیں، لیکن ان میں تکبر اور گھمنڈ بدترین گناہ ہے۔یہ اپنے خالق ومالک سے منحرف ہونے کی سب سے بڑی علامت اور سبب ہے۔تکبر وگھمنڈ ہی وہ پہلا گناہ ہے، جس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی گئی۔سورۂ بقرہ، آیت (۳۴) میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ اَبٰى وَاسْتَكْبَرَ وَكَانَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ (پارہ:۱-البقرۃ:۳۴)

ترجمہ: یاد کرو وہ وقت جب ہم نے فرشتوں سے کہا تھا آدم کو سجدہ کرو۔سب فرشتوں نے سجدہ کیا۔مگر ابلیس نے تکبر کر کے انکار کیا۔اور ہو گیا وہ منکرین نافرمانوں میں سے۔

اسی لئے حضرت لقمان نے اپنے بیٹے کو تکبر سے بچاتے ہوئے، لوگوں کے ساتھ تواضع اور انکساری سے پیش آنے کی وصیت کی۔آپ کی اس وصیت میں کچھ چیزیں بہت غور کرنے کی ہیں۔

اچھے مومن کی پہچان

اس آیت میں ایک کلمہ آیا ہے: (لَا تُصَعِّرْ) یہ صعر سے بنا ہے۔اس کا

معنی ہے: تکبر سے چہرہ پھیر لینا۔اور ایک لفظ ہے: خَدٌّ اس کا معنی ہے: رخسار، گال۔بعض لوگ ایسے مغرور ومتکبر ہوتے ہیں کہ لوگوں سے سلام وکلام کے وقت انہیں حقیر وکمتر سمجھتے ہوئے، ان سے چہرہ پھیر لیتے ہیں اور گردن ٹیڑھی کر لیتے ہیں۔ خاص طور سے غربا ومساکین کے ساتھ ان کا یہ رویہ زیادہ ہوتا ہے۔تو ان کے لئے اس کلام کا مطلب یہ ہوگا کہ: تم لوگوں سے ملاقات کے وقت مکمل توجہ اور تواضع کے ساتھ ان سے سلام وکلام کرو۔ان سے بات کرتے وقت نہ اپنا چہرہ پھیرو اور نہ اپنی گردن ٹیڑھی کرو۔خصوصاً غریب ونادار لوگوں سے۔اور اچھے مومن کی یہی علامت ہے کہ اس کے نزدیک حسنِ معاملات وملاقات میں غنی ومالدار اور مفلس ونادار برابر ہوتے ہیں۔

تکبر ایسا عظیم گناہ اور بدترین خصلت ہے جو مدتوں کی کی ہوئی نیکیوں اور برسوں عبادت وریاضت کے ذریعہ کی گئی قلب وباطن کی اصلاح وصفائی کو ایک لمحہ میں کھا جاتا ہے۔جیسا کہ ابلیس کے ساتھ ہوا، ہزار ہا سال کی عبادتیں ایک جھٹکے میں ھباءً منثوراً ہو گئیں۔یہ خصلتِ خبیثہ جب کسی انسان میں پیدا ہو جاتی ہے، تو اس کو ہلاکت وبربادی کی وادی میں جھونک کر ہی دم لیتی ہے۔

مغروروں متکبروں کا طریقہ

بعض مغرور ومتکبر تو اس طرح کے ہوتے ہیں کہ اپنی ناک بھوئیں سمیٹ کر لوگوں سے ملتے ہیں۔بعض ایسے ہوتے ہیں، جو بالکل الگ تھلگ رہنا پسند کرتے ہیں، اپنے سے کمتر لوگوں سے ملنا بھی پسند نہیں کرتے۔اور اگر کسی مجلس یا محفل میں لوگوں سے ملنا چاہتے بھی ہیں، تو ان کی خواہش یہ ہوتی ہے کہ تمام لوگوں سے یا عام

لوگوں سے ان کے لئے الگ تھلگ امتیازی مقام ہو۔کرسی ہوتو امیتازی، یا مسند ہوتو امتیازی۔ جیسا کہ آج کل ہم سماجی بلکہ دینی کہلانے والی مجلسوں میں بھی یہ چیزیں دیکھتے ہیں۔ دنیادار تو اپنے لئے خصوصی اور امتیازی نشست و برخاست پسند کرتے ہی ہیں ۔اور ان کیلئے ان کی نشست گاہوں پر پہلے ہی چیف گیسٹ کی چٹ لگائی جاتی ہے۔اب تو دینی اور روحانی کہلانے والی مجلسوں میں بھی یہ چیز عام طور سے دیکھ سکتے ہیں۔اگر کسی دینی پیشوا کے ساتھ نشست و برخاست میں خصوصی معاملہ نہ کیا جائے یا اس کی آمد پر لوگ اس کی تعظیم کیلئے کھڑے نہ ہوں یا نعرہ نہ لگائیں،تو بہت بری طرح سے وہ ناک بھوئیں سکوڑ کر بانیانِ مجلس اور اہل جلسہ پر ناراض ہوتا ہے۔ بلکہ کبھی کبھی تو مجلس سے واپس بھی چلا جاتا ہے۔اس مغرور و متکبر کو یہ پتہ ہی نہیں کہ محفل و مجلس میں اپنے لئے خصوصی مقام چاہنے والے کیلئے حدیث میں کتنی مذمت آئی ہے۔

حدیث عبرت

حدیث میں آیا ہے: جو انسان اس بات کا خواہش مند ہو کہ مجلس میں اس کے لئے لوگ کھڑے ہوں،تو یہ اس کے دوزخی ہونے کی علامت ہے۔اوکما قال صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (الکلام الاوضح فی تفسیر الم نشرح)

ہاں اگر کسی دینی پیشوا کی تعظیم کے لئے لوگ خود بخود کھڑے ہو رہے ہیں،تو اس میں کوئی اس کے لئے کوئی مضائقہ وحرج نہیں۔لیکن اس میں بھی اس کو چاہئے کہ اپنے باطن کو جھانکے اور اپنی علمی و عملی کمزوریوں پر نظر کرے۔اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں توبہ واستغفار کرے۔اور مولیٰ کریم کی حمد بجالائے اور اس کا شکر ادا کرے کہ:اس نے میری کمزوریوں پر پردہ ڈال دیا اور نیکیاں لوگوں پر ظاہر کردیں۔

گمانِ فاسد

علما فرماتے ہیں: لوگوں میں سب سے ناپسندیدہ آدمی وہ ہے جو اپنے بارے میں خود یہ گمان کرتا ہے کہ: ہم ایسے مقام و مرتبہ پر فائز ہیں، جو ہمارے علاوہ کسی کو حاصل نہیں۔ یا ہمارے علاوہ اس مقام پر کوئی اور نہیں پہنچ سکتا۔اور اس گمانِ فاسد میں مبتلا انسان ہمیشہ دوسروں کو حقیر و ذلیل ہی سمجھتا ہے۔

ایسا انسان اپنی حقیقت پر غور کرے

علما فرماتے ہیں: جو اس طرح کی خبیث و ذلیل عادت میں مبتلا ہو، اس کو چاہئے کہ: وہ اپنی زندگی کے تین دوروں پر نظر کرے۔

(۱) ابتداو تخلیق (۲) انتہا و انجام (۳) ان کے بیچ کی مدت

اپنی ابتدا پر غور کرے کہ اس کی ابتدا ناپاک اور غلیظ نطفہ سے ہے، انتہا اور انجام پر غور کرے کہ اس کا انجام نجس اور مردار ہونا ہے اور ان دونوں کے بیچ میں جو مدت ہے، اس میں غور کرے کہ اپنے پیٹ میں نجاست و غلاظت لئے گھومتا ہے۔یعنی اس کے پیٹ میں لیٹرین و پیشاب ہر وقت موجود رہتی ہے۔

جب تینوں دوروں میں نجاست و غلاظت اس کے ساتھ ہیں،تو تکبر کیسا؟ اور گھمنڈ کس بات کا؟

متکبر و گھمنڈی انسان اپنے تکبر و گھمنڈ یا اپنی گردن ٹیڑھی کرنے یا ناک بھوں سمیٹنے کی وجہ سے اپنی اس حسین صورت کو بگاڑ لیتا ہے، جسے اللہ تعالیٰ نے احسن تقویم پر پیدا کیا ہے۔ پھر قدرت کی طرف سے ایسے انسان کا دل بھی ٹیڑھا

اور فاسد کر دیا جاتا ہے۔

تکبر کی دوسری صورت

کچھ لوگ اپنے باطنی تکبر کو اپنی رفتار یا اپنی چال سے ظاہر کرتے ہیں۔ اور وہ اس زمین پر اکڑ کر چلتے ہیں، جس سے انہیں پیدا کیا گیا ہے۔ اسی لئے حضرت لقمان نے (وَ لَا تَمۡشِ فِی الۡاَرۡضِ مَرَحًا) (زمین پر اکڑ کر مت چلو) سے اپنے بیٹے کو وصیت فرمائی۔ کیونکہ تمہیں اسی سے پیدا کیا گیا ہے اور ایک دن اِسی میں ملا بھی دیئے جاؤ گے۔

سب زمین پر سب زمین میں

دوسرے اَرۡض فرما کر یہ اشارہ بھی کیا گیا کہ جس زمین پر تم اکڑ کر چل رہے ہو، یہ وہی زمین تو ہے جس پر بادشاہ، فقیر، غریب، امیر، مزدور، اجیر، طاقتور انسان اور کمزور کیڑے مکوڑے سب چلتے ہیں، تمہیں کونسی بزرگی و خصوصیت حاصل ہے۔ اور اس میں اکڑ کر چلنے والے کے لئے یہ تنبیہ بھی ہے کہ جب وہ تمام لوگوں کے مساوی و برابر ہے، تو پھر اکڑ کر کیوں چل رہا ہے؟

خیال رہے!

جب مغرور و متکبر انسان لوگوں کے نزدیک مکروہ و ناپسند ہے کہ لوگ اس سے محبت نہیں کرتے ہیں، تو اسے جان لینا چاہئے جو تمام انسانوں کا خالق و مالک ہے وہ بھی اسے پسند نہیں فرماتا ہے۔ یہ ذلت و خسارہ کیا اس کے لئے کم ہے؟ اسی لئے حضرت لقمان نے آگے فرمایا: (اِنَّ اللّٰہَ لَا یُحِبُّ کُلَّ مُخۡتَالٍ فَخُوۡرٍ) (اللہ

تعالیٰ مغرور، فخر کرنے والوں کو پسند نہیں فرماتا۔)

مغرور اپنے گمان میں بڑا ہے

جو لوگ مغرور گھمنڈی ہوتے ہیں، وہ اپنے تصور و خیال میں خود کو بڑا اور بہتر سمجھتے ہیں۔ اور یہ گمان کرتے ہیں کہ وہ بہت معظم و مکرم ہیں۔ حالانکہ وہ یہ نہیں جانتے کہ: اللہ تعالیٰ اور اس کے بندوں کے نزدیک وہ نہایت ہی مکروہ و ناپسندیدہ اور گھٹیا انسان ہیں۔

اور وہ اپنے آپ کو بڑا سمجھتا اس لئے ہے کہ وہ فانی اور ضائع ہونے والی لذتوں اور بیماری میں مبتلا ہے۔ اور وہ تکبر اس لئے کر رہا ہے کہ: وہ اپنی حقیقت سے جاہل ہے۔ جیسا کہ ہم پیچھے بیان کر کے آئے ہیں۔ وہ تصورات کی دنیا میں زندگی گزار رہا ہے۔ ابھی اس بات کو بھولا ہوا ہے کہ اسے ایک دن اسی مٹی میں ملا دیا جائے گا جس پہ وہ اکڑ کر چل رہا ہے۔ اور ابھی وہ اس بات سے غافل ہے کہ اس کا یہ حسین جسم، جس پر وہ اترا رہا ہے، ایک دن مٹی میں مل کر ریزہ ریزہ ہو جائے گا۔ اور اس پر کوئی وقت ایسا بھی آ سکتا ہے کہ لوگ اس کو اپنے پیروں سے روندیں گے، جبکہ وہ قبر کی تنگ و تاریک کوٹھری میں بے یار و مددگار پڑا ہوگا۔

مغرور کس بات پر گھمنڈ کرتا ہے؟

جو لوگ غرور و گھمنڈ کی بیماری میں مبتلا ہیں، وہ اس حکمت بھری نصیحت کو پڑھیں۔ عام طور پر کہا جاتا ہے کہ جو لوگ غرور و گھمنڈ کرتے ہیں، وہ خارجی چیزوں کی وجہ سے گھمنڈ کرتے ہیں۔ اس لئے ایک حکیم فرماتے ہیں:

اے گھمنڈی! اگر تو اپنی اچھی سواری پر گھمنڈ کر رہا ہے، تو حسن وخوبی تو تیری سواری کا ہے، تیرا تو نہیں۔ اگر تو اپنے لباس ومکان وغیرہ پر اتراتا ہے، تو وہ حسن وجمال ان کا ہے، تیرا نہیں۔ اگر تو اپنے باپ دادا کی عزت وبزرگی پر فخر کرتا ہے، تو وہ خوبی وکمال تو ان میں تھا، تجھ میں نہیں۔ اگر اللہ تعالیٰ ان چیزوں کو قوت گویائی دیتا، تو یہ سب چیزیں اس گھمنڈی سے بولتیں: یہ سب خوبیاں اور کمالات تو ہمارے ہیں، تیرا کمال کیا ہے؟ تیری خوبی کیا ہے؟ اگر تو گھمنڈ کرنا ہی چاہتا ہے تو ایسی چیز پر کر جو تجھ میں ہی ہو تجھ سے خارج نہ ہو اور تیری حاصل کی ہوئی اور کمائی ہوئی ہو۔ اس میں کسی اور کا دخل نہ ہو۔ (روح البیان)

اس بیماری کا علاج

علما فرماتے ہیں: جب تجھے اپنی کوئی چیز اچھی لگے یا تجھ میں عجب وتکبر پیدا کرے، تو تو اس بات کو یاد کر کہ ایک دن تو فنا ہو جائے گا، اور وہ چیز باقی رہے گی۔ یا تو باقی رہے، اور وہ چیز زائل وفنا ہو جائے۔ یا یہ کہ دونوں فنا کے گھاٹ اتر جائیں۔ پھر گھمنڈ کس پر؟

اس وصیت کا نتیجہ

حضرت لقمان اپنی وصیت سے یہ سبق دے رہے ہیں کہ تکبر وگھمنڈ سے بچ کر لوگوں سے سلام وکلام، معاملات اور لین دین میں تواضع وانکساری سے پیش آیا جائے۔ اور یہ تواضع وانکساری ہی اللہ تعالیٰ کے نیک اور سچے بندوں کی صفتِ عظیمہ اور کمال وخوبی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے سورۂ فرقان میں اس کمال وخوبی کو کس اچھے انداز میں بیان فرمایا ہے، پڑھئے:

وَ عِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِیْنَ یَمْشُوْنَ عَلَی الْاَرْضِ هَوْنًا وَّ اِذَا خَاطَبَهُمُ الْجٰهِلُوْنَ قَالُوْا سَلٰمًا (پارہ:۱۹-الفرقان:۶۳)

ترجمہ: اور اللہ تعالیٰ کے وہ (مخلص اور نیک) بندے، جو زمین پر انکساری سے چلتے ہیں۔ اور جب جاہل ان سے الجھتے ہیں، تو وہ سلام کہتے (ہوئے گزر جاتے) ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ جو اللہ تعالیٰ کے مخلص بندے ہیں، وہ ہر وقت ذہن میں یہی رکھتے ہیں کہ چھوٹے بڑے ہم سب ایک اللہ تعالیٰ کے بندے ہیں۔ اور ہماری روحیں اور ہمارے جسم ایک ہی طرح کے ہیں۔

خدا کے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا کمال

مغرور ومتکبر انسان کو اس بات پر بہت غور کرنا چاہئے کہ دنیا کے انسانوں بلکہ خدا کی تمام مخلوق میں سب سے افضل واعلیٰ، سب سے برتر وبالا خدا کے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اپنے صحابہ کے بیچ ایسے تواضع وانکساری سے زندگی گزاری کہ اجنبی انسان سوچ میں پڑ جاتا تھا، ان میں محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کون ہیں؟ اس طرح کی حدیثیں بخاری ومسلم میں بہت جگہ موجود ہیں۔ آقا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اپنے غلاموں کو تکبر سے بچانے اور ان میں تواضع پیدا کرنے کے لئے ارشاد فرماتے ہیں:

صدقہ سے کبھی مال گھٹتا نہیں ہے، معاف کر دینے سے انسان کی عزت بڑھتی ہے۔ اور جس کسی نے بھی اللہ تعالیٰ کیلئے تواضع وانکساری کی ہے اللہ تعالیٰ نے اس کو عزت وبلندی ہی دی ہے۔ (مسلم)

رہن سہن میں آقائے کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا تواضع

سیرت کی کتابوں میں آیا ہے: اللہ تعالیٰ کے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صحابہ کے بیچ اس طرح رہتے تھے، کہ اجنبی لوگوں کا آپ کا پہچاننا مشکل ہوجاتا تھا۔

ایک مرتبہ آپ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ساتھ کسی قبیلہ میں دین کی تبلیغ کے لئے تشریف لے گئے۔ لباس اور وضع قطع اس طرح مساوی اور برابر تھی کہ: اس قبیلہ کے لوگوں کو یہ پہچاننے میں دقت ہورہی تھی، ان میں آقا کون ہیں غلام کون؟ نبی کون ہیں امتی کون؟ مخدوم کون ہیں خادم کون؟ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اس چیز کو اپنی فراست سے تاڑ لیا۔ فوراً آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اوپر پنکھا جھلنے لگے۔

تاکہ لوگ جان لیں یہ آقا ہیں میں غلام اور یہ مخدوم ہیں اور میں خادم۔

اس واقعہ سے جہاں اللہ تعالیٰ کے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا تواضع وانکساری ظاہر ہورہی ہے، وہیں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی فراستِ ایمانی اور جذبۂ محبت وخدمت بھی۔ اس واقعہ سے آج کل کے خادم ومخدوم اور استاد شاگرد بہت سی نصیحتیں حاصل کرکے اپنی زندگی میں نکھار پیدا کرسکتے ہیں۔ (ماخوذ)

قیامت میں مغرور کا انجام

مغرور ومتکبر لوگ اس دنیا میں لوگوں کے دلوں میں کوئی عزت ووقعت نہیں رکھتے ہیں۔ اگرچہ بظاہر ان کے ذرائع، روابط وتعلقات اور مراتب اعلیٰ ہوں۔ اور قیامت کے روز میدان محشر۔ جو تمام جگہوں سے زیادہ ہولناک اور خوفناک ہوگا۔ میں بھی یہ لوگ بہت ہی حقارت وذلت کی حالت میں اٹھائے جائیں گے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

قیامت کے دن مغرور ومتکبر لوگ مردوں کی شکل میں چیونٹیوں کی طرح اٹھائے جائیں گے۔ انہیں طرح طرح سے ذلت گھیرے ہوگی۔ اور دوزخ کے مخصوص قید خانہ میں کھینچ کر لے جایا جائے گا۔ سخت ترین آگ ان کو گھیرے ہوئے ہوگی اور دوزخیوں کی رطوبت ان کو پلائی جائے گی۔ (ترمذی)

ایک اور حدیث میں آیا ہے: قیامت کے دن مغرور ومتکبر لوگ اللہ کے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قربت سے محروم رہیں گے۔

ایک حدیث میں آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں: قیامت کے دن تم میں میرا محبوب ترین اور سب سے نزدیک وہ شخص ہوگا، جس کے اخلاق اچھے ہوں گے۔ اور سب سے زیادہ ناپسندیدہ اور سب سے دور متکبر ومغرور ہوگا۔

یہ سزا انہیں ان کے کئے کی وجہ سے ملے گی۔ جیسا کہ حدیث میں ہے: كَمَا تَدِيْنُ تُدَانُ (جیسا کروگے ویسا بھروگے) یعنی: جیسا عمل ویسی سزا۔

تکبر کی حقیقت

اچھے لباس، اچھے کھانے پینے کا نام تکبر نہیں ہے۔ بلکہ تکبر ایک ایسی مذموم اور رذیل کیفیت ہے، جو انسان کے دل میں پائی جاتی ہے۔ اور یہ ظاہر ہوتی ہے خدا کی مخلوق کے ساتھ رابطہ اور معاملہ کرنے سے۔

کیا یہ بھی تکبر ہے؟

اللہ پاک کے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک دن ارشاد فرمایا: جس کے دل میں ذرہ برابر بھی تکبر ہوگا وہ جنت میں نہیں جائے گا۔ ایک صاحب نے عرض کی: حضور! آدمی چاہتا ہے کہ اس کا لباس اور کھانے پینے کا ساز وسامان حد سے اچھا ہو۔ (کیا یہ بھی تکبر ہے؟) آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے (ان کی غلط فہمی کا ازالہ کرتے

ہوئے) فرمایا: اللہ تعالیٰ جمیل ہے اور رہن سہن میں جمال کو پسند فرماتا ہے۔(یعنی رہن سہن میں صفائی و پاکیزگی تکبر نہیں ہے بلکہ) تکبر تو حق کو نہ ماننے اور لوگوں کو حقیر سمجھنے کا نام ہے۔(مسلم شریف)

اس لئے ہم سب پر لازم ہے کہ ہم نفسانی عروج اور ابلیسی خصلت سے اپنے آپ کو بچانے کی کوشش کریں، تاکہ شیطان کہیں ہمیں اس گناہ میں نہ جھونک دے جس کے ذریعہ اس نے سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی۔ آبیٰ وَاسۡتَکۡبَرَ یاد رکھو۔

میں اس کی کمر توڑ دوں گا

اللہ تعالیٰ کو یہ بات ہرگز پسند نہیں کہ کوئی اس کی صفتِ کبریائی میں منازعت اور جھگڑا کرے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں: اللہ پاک کا ارشاد معظم ہے: عزت و بزرگی میرا اِزار ہے اور عظمت و کبریائی میری چادر۔ تو جو بھی ان میں سے کسی میں مجھ سے جھگڑے گا، میں اس کو عذاب دوں گا۔ اور ایک روایت میں ہے: میں اس کی کمر توڑ دوں گا۔(مسلم شریف)

ان روایتوں سے پتہ چلا کہ غرور و گھمنڈ اور تکبر میں شر ہی شر اور بدی ہی بدی ہے۔ اس کا ضرر و نقصان ظاہر اور اس کا مذموم و برا ہونا روشن۔ اس کے شر اور ضرر و نقصان کے لئے اتنا ہی کافی ہے کہ مغرور و متکبر کے لئے مخلوقِ خدا کے دل میں سخت ترین بغض و کینہ اور ناپسندیدگی پیدا ہو جاتی ہے۔

اور تواضع و انکساری ایسی محبوب ترین خصلت ہے، جو عظیم اور اچھے لوگوں کی پہچان ہے۔ اخلاق حسنہ میں ایسا خلق حسن ہے، جس سے متواضع انسان کی لوگوں کے دلوں میں بہت جلدی محبت پیدا ہو جاتی ہے۔

اب ہر انسان کو اختیار ہے چاہے تواضع اختیار کر کے لوگوں کا محبوب بنے چاہے تکبر کر کے مکروہ و مبغوض ہو جائے۔ اتنا ضرور ہے اگر مغرور کو قبر کی ظلمت و تاریکی، اس کے کیڑے مکوڑے۔ جو اس کے حسین جسم کو کھا جائیں گے۔ اور قیامت کی ہولناکیاں معلوم ہو جائیں، تو ضرور وہ تواضع کو اپنا شعار بنالے اور اللہ تعالیٰ کی مخلوق سے انکساری سے پیش آئے۔ تواضع کے متعلق ہم نے اپنی "وصایا" نامی کتاب میں حضور پرنور سیدنا غوث اعظم رضی اللہ عنہ کی وصیت میں کچھ باتیں ذکر کی ہیں، وہاں پڑھیں۔

خلیفۂ راشد کی تواضع

حضرت عمر بن عبد العزیز رضی اللہ عنہ جن کی خلافت کو خلافت راشدہ میں شمار کیا جاتا ہے، ان کی تواضع کا واقعہ آج کل کے مذہبی پیشواؤں اور دنیوی رہنماؤں یعنی سیاسی لیڈر، دونوں کے لئے عبرت ہے۔

خلیفہ عمر بن عبد العزیز کے یہاں ایک دن ایک مہمان آئے۔ گفتگو کے دوران کسی طرح سے چراغ بجھ گیا تو خلیفہ اٹھ کر اسے صحیح کر دیا (روشن کر دیا) تو وہ مہمان بولے: امیر المؤمنین! آپ مجھے حکم دیتے میں صحیح کر دیتا یا کسی خادم کو بلا لیتے۔ حضرت عمر بن عبد العزیز نے فرمایا: جب میں اس کام کے لئے اٹھا تب بھی عمر تھا اور جب کام سے لوٹا تب بھی عمر ہوں۔(اَیۡنَہٗ)

یعنی اس کام نے نہ میری شخصیت کو گھٹایا، نہ میرے نام کو گھٹایا۔ یہ تھا ہمارے اسلاف اور بزرگوں کا تواضع۔

جب سر میں ہوائے طاعت تھی، سرسبز شجر اسلام کا تھا
جب صرصرِ عصیاں چلنے لگی اِس پیڑ نے پھلنا چھوڑ دیا

تمت بالخیر

KHUDA DEKH RAHA HAI !

حضرت مفکر اسلام دام ظلہ العالی کی تعلیمی، تعمیری، تحریری اور تفسیری خدمات

حضرت مفکر اسلام کی سرپرستی میں چلنے والے اداروں میں اس وقت تقریباً ۶۳ سو طلبہ و طالبات زیرِ تعلیم ہیں، جن میں چھ سو بچے بچیاں ہاسٹل میں رہتے ہیں۔

حضرت مفکر اسلام کے قائم کردہ ادارے:

(۱) درسِ نظامی کی تربیتی درسگاہ جامعہ فاطمہ [برائے طلبہ]۔ (۲) درسِ نظامی کی تربیتی درسگاہ فاطمہ شریعت کالج [برائے طالبات] (۳) فاطمہ گرلس انٹر کالج [انگلش میڈیم سائنس سائڈ] (۴) فاطمہ ہائی اسکول [ہندی میڈیم] شاہ جہان پور۔ (۵) درسِ نظامی کی تربیتی درسگاہ فاطمہ شریعت کالج [برائے طالبات]۔ (۶) فاطمہ لیان سی بی ایس ای (C.B.S.E.) سینیر سیکینڈری اسکول (۷) فاطمہ کڈز اکیڈمی [کنڈرگارٹین] بریلی شریف

حضرت مفکر اسلام کی تصنیف کردہ کتابیں

(۱) فضائل اسلام اول (۲) وصیتیں اور نصیحتیں (۳) درسِ عبرت (۴) خدا دیکھ رہا ہے (۵) آخر موت ہے (۶) صدقات کے آداب و احکام (۷) اسلامی آداب (۸) گلدستۂ نماز (۹) ماہِ بہاراں (۱۰) ایمان کی شاخیں (۱۱) اپنا اپنا گھر بچاؤ (۱۲) حجاب عزت یا ذلت؟ (۱۳) سعادت مند اولاد (۱۴) نمازِ فاطمہ (۱۵) اسلامی عقائد و اعمال (۱۶) مومن رات دن کیسے گذارے؟ (۱۷) اسلامی عقائد و نظریات (۱۸) فقہ حنفی (۱۹) نجات کا راستہ (۲۰) شرح شرح جامی: الیٰ غیر المنصرف (۲۱) ایمانِ کامل (۲۲) سائنس اور سکون؟ (۲۳) خاموشی کی برکتیں۔

ان کے علاوہ مختلف موضوعات پر بیسیوں رسائل و فولڈرس بھی تحریر فرمائے ہیں۔

ہفتہ وار درسِ قرآن: حضرت مفکر اسلام مدظلہٗ ۲۳؍ ذوالحجہ ۱۴۱۹ھ مطابق ۱۱؍ اپریل ۱۹۹۹ء سے مسلسل ہر اتوار کو (بمقام ڈپٹی صاحب والی مسجد لال املی چوراہا شاہجہان پور) قرآن مقدس کی تفسیر بیان فرما رہے ہیں۔ تئیس (۲۳) سال کا عرصہ ہو گیا ہے اور ابھی پندرہویں پارہ کی تفسیر ہی چل رہی ہے۔ حضرت کا ہفتہ واری درس تفسیر یوٹیوب پر بھی اپ لوڈ ہے۔

JAMIA FATIMA

Jalal Nagar, Shahjahapur, (U.P.)-Pincode : 242001

Mob.: 9335292933, 9452545031, 8299373718

fatimagic1204@gmail.com , fatimaleyanps@gmail.com